ماہنامہ ستمبر 2022ء

طلوعِ اسلام

لاہور

اشاعت کا اناسی واں سال

قرآنی نظام
ربوبیت کا
پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ
کی خواہش پر 1938ء سے شائع
ہونے والا ماہنامہ

طلوعِ اسلام کا مقصد

جو احباب طلوع اسلام سے تعارف نہیں رکھتے ان کی آ گاہی کے لئے ہم طلوع اسلام کے مقصد کو وقتاً فوقتاً سامنے لاتے رہتے ہیں:

1- تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کر سکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

2- خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آ سکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتماب ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

3- قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

4- نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ، شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

5- دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہو سکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہو سکتا۔

6- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں، ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

7- رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

ستمبر 2022ء

جلد 75 | شمارہ نمبر 9

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 600 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: یادیں	ادارہ	4
درسِ قرآن (سورۃ روم آیات 40 سے 47 تک)	پرویز علیہ الرحمۃ	5
طلوعِ اسلام کے مقاصد	ادارہ	24
توبہ کا قرآنی مفہوم	خواجہ ازہر عباس، کراچی	36
حقیقت کے متلاشی لوگ۔۔۔ڈنمارک کا ایک نومسلم	خورشید انور، سوات	43
چیریٹی، سرمایہ دارانہ نظام اور قرآن	محمد سلیم اختر، لاہور	45
علامہ پرویزؒ کا تحقیقی شہکار۔۔۔لغات القرآن	یوسف سیجا	51
ارتقائی عمل میں انسانی ذات کے مقام کے حصول پر علم کا کردار	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	53

ENGLISH SECTION

The Human Self and Allah — 60
By G. A. Parwez (Translated by: Dr. Ejaz Rasool)
Episode No. 10

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions	For International Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672	IBAN:PK36NBPA0465004073177672 Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشربِ نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

یادیں

(1) پاکستان کی سرحدوں پر بسنے والے ان بے گناہ مظلوم انسانوں کی، جنہیں بھارتی درندوں نے 6 ستمبر 1965ء کی صبح بغیر کسی قسم کی آگہی یا اعلانِ جنگ کے، اس وقت اپنی ہوسِ خون آشامی کا شکار بنایا جب وہ آرام سے اپنے گھروں میں سو رہے تھے اور ستاروں کی آنکھوں کے علاوہ، اس خونی منظر کا دیکھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

(2) ان معصوم بچوں کی جنہیں مرہٹہ ''بلوانوں'' اور سکھ ''سورماؤں'' نے اچھال اچھال کر اپنی سنگینوں کی نوکوں سے چھلنی کر دیا۔ اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں نے مسلمانوں کے گھروں میں جنم لیا تھا۔

(3) ان عزت مآب دخترانِ ملت کی جنہیں یہ انسان نما بھیڑیئے، ان کے صحن خانہ سے ان نامعلوم ویرانوں کی طرف کشاں کشاں لے گئے جہاں سے پھر ان کی آہ و فغاں تک کسی کو سنائی نہ دی۔

(4) اور۔۔۔ یادیں

ان غیور و جسور جوانانِ ملت کی جوان بے پناہ مظالم کا بدلہ لینے کے لئے شمشیر بکف اور کفن بدوش میدان کارزار میں آ نکلے اور اپنی عدیم النظیر جرأت و بسالت سے دنیا کو دکھا دیا کہ حق کی خاطر جان دینے والے کیا کچھ کر دکھایا کرتے ہیں۔

اور۔۔۔ یادیں چھمب، جوڑیاں، سیالکوٹ، چونڈہ، واہگہ، برکی، ہڈیارہ، سلیمانکی، راجستھان کے میدانوں کے ان ذرات کی، جو اپنی عالمتاب چمک دمک سے اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ خونِ شہداء کی رنگینی کس طرح حنا بند عروس ملت ہوتی ہے۔

لاکھوں سلام ہوں ان شہدائے اُمت اور مجاہدینِ ملت پر، جنہوں نے اپنی فقید المثال قربانیوں سے اس خطۂ زمین کو دشمن کی دست بُرد سے محفوظ رکھا۔ جسے اسلام کی تجربہ گاہ بننے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔

پرویز علیہ الرحمۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

درسِ قرآن

(سورۃ روم آیات 40 سے 47 تک)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ
ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۰ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي
النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۴۱ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝۴۲ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝۴۳ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝۴۴ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْكٰفِرِيْنَ ۝۴۵ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

عزیزانِ من! آج ستمبر 1979ء کی 28 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الروم کی آیت 40 سے ہو رہا ہے:(30:40)

ربوٰ کی بنیاد پر قائم کردہ معاشی نظام؛ قرآنی نظام کے خلاف اعلانِ جنگ متصور ہوگا:

سابقہ درس کی آخری آیت کے ربوٰ متعلق تھی جس کا ترجمہ سود کیا جاتا ہے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے وہ بحث کچھ تشنہ رہ گئی تھی۔ اصل یہ ہے کہ جسے ربوٰ کہا جاتا ہے یہ کوئی الگ مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلے تو ان کے ہاں یہ ہیں کہ کوا حلال ہے یا حرام' پاؤں دھونے چاہئیں یا مسح کرنا چاہیے؟ ربوٰ کے متعلق قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے کہ اگر تم اس سے باز نہ آئے' مثلاً شراب پینے والے کے متعلق کہا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں اس کی سزا ملے گی' گناہ ہوگا' مگر سارے قرآن میں ربوٰ ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق کہا ہے کہ اگر تم اس سے باز نہ آئے تو خدا اور رسول یعنی اسلامی نظام کی طرف سے اسے اعلانِ جنگ سمجھو۔ یعنی یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا ہے' یہ کوئی جرم نہیں ہے کہ جس کی سزا ملے گی' یہ کوئی معصیت نہیں ہے کہ جس سے گناہ ہوگا' یہ کوئی ایسی چیز ہے جو اسلامی نظام کے خلاف بغاوت ہے اور بغاوت پہ ہی اعلانِ جنگ ہوتا ہے۔ بغاوت سے کم درجے کی جتنی بھی قانون شکنیاں

ہوتی ہیں، جنہیں معصیت کہا جاتا ہے، اُن کی سزا مقرر ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی ملک کے اندر سیاسی طور پہ بغاوت کرے تو ٹھیک ہے اُس کے خلاف اعلانِ جنگ ہوتا ہے۔ یہاں یہ صورت ہے۔

عزیزانِ من! جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ یہ کسی مسئلے کی، کسی حکم کی، کسی قانون کی بات نہیں ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ قرآن کی رو سے معاشی نظام کی اہمیت کیا ہے۔ عام طور پہ تو جو سیاسی نظام اس ملک کے نظام کے علی الرغم قائم کیا جائے تو اسے ہی بغاوت کہتے ہیں لیکن آپ دیکھیے کہ قرآن کی رو سے معاشی نظام کی اہمیت اس قدر ہے کہ اُس نے کہا ہے کہ اسلام یا قرآن کے معاشی نظام کے علی الرغم اگر آپ کوئی دوسرا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں تو یہ بغاوت ہے اور مملکت کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ جی، یہ روٹی کا مسئلہ لیے پھرتے ہیں، روٹی کا مسئلہ ہے۔ جہاں کسی نے کہا کہ بھوکے کی روٹی کا مسئلہ حل کرو تو انہوں نے کہہ دیا کہ کمیونسٹ ہو گیا۔ عزیزانِ من! قرآن کے یہ مقامات قابلِ غور ہیں کہ سارے قرآن میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے تو اس کو اتنی بڑی اہمیت ہے۔

ہم راکٹ کا پرزہ سائیکل کے اندر لگانے کی بے سود کوشش میں مصروف ہیں:

اب یہاں سے آگے بات چلائی۔ ہمارے ہاں معاشی نظام تو سارا غیر قرآنی ہے اور اُس میں بحث لیے پھرتے ہیں کہ جو ربٰو ہے یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔

دہن کا ذکر کیا یہاں سر ہی غائب ہے گریباں سے

غیر قرآنی معاشی نظام کے اندر ایک مسئلے کو لے کر دھن رہے ہیں۔ ''ویلی جُٹی اون ویلے''۔ غیر قرآنی معاشی نظام میں ایک معیشت کا مسئلہ لے کر اب بحث ہو رہی ہے کہ یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔ ڈیزل آئل پہ چلنے والے انجن کے متعلق بحث ہو رہی ہے کہ اس میں AC کرنٹ دی جائے یا DC کرنٹ دی جائے، وہ تو انجن ہی کسی اور ٹائپ کا ہے۔ اُسے پہلے بجلی سے چلنے والا انجن بناؤ تو پھر اگلی بحث بھی چلے گی۔ لیکن یہاں ہے کہ وہ بحث چل رہی ہے۔

فقہہ کے بیان کردہ فارمولے کے مطابق اس حرام سُودی کاروبار کو حلال کرنے کا طریق:

ربٰو کے متعلق کہا ہے کہ یہ سود ہے۔ سود کا لفظ چونکہ بہت قابلِ نفرت ہو گیا تھا اس لیے کہا کہ یہ منافع ہے۔ یعنی رام داس کا نام عبدالرحمن رکھا اور کہا کہ الحمدللہ مسلمان ہے۔ پچھلی دفعہ میں نے بتایا تھا کہ اُنہوں نے کہا تھا کہ صاحب! اگر سود بھی ہے تو سود ہی رہنے دو اس سے بچنے کی کئی تدبیریں ہیں۔ وہی فقہ کی کتابیں جس میں سود کو حرام قرار دیا ہے، جہاں وہ بحثیں ختم ہوتی ہیں اُس کے آخر میں لکھا ہوا تھا کہ اس سے بچنے کی شرعی تدابیر کیا ہیں۔ تو آپ کو یاد ہے کہ اُس مصنف نے کتاب میں لکھا تھا کہ دیکھیے یہ جو مسلمان ہے، یہ خوامخوہ کے لیے حرام کھاتا چلا جا رہا ہے، ان تدبیروں کی رو سے اُسی کو کھاؤ تو حلال ہو جاتا ہے اور

حلال ہی نہیں بلکہ ان کے بڑے میاں ❶ نے کہا تھا کہ اس سے ثواب ہوتا ہے۔ آج بھی یہی بحثیں ہو رہی ہیں۔

ہم نے اسلام کو دنیا بھر کی نظروں میں مذاق بنا دیا ہے:

عزیزانِ من! غیر قرآنی نظام سیاسی ہو‘ معاشی ہو‘ معاشرتی ہو‘ اُس میں اُس کے کسی جز کے متعلق یہ کہنا کہ یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی‘ بے معنی ہی نہیں بلکہ دنیا میں اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ آپ نے وہ چار قانون ❷ رائج کر دیئے‘ ساری دنیا میں آپ کا مذاق اڑ رہا ہے‘ آپ کی قوم میں مذاق اڑ رہا ہے‘ چیخ رہے ہیں کہ ان کے مطابق سزا نہیں دی جا سکتی‘ یہ ناممکن العمل ہیں۔ ان کو کسی کے سامنے جب پیش کیا جاتا ہے تو حیا سے آنکھیں زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ اور پھر ایک اور دلچسپ چیز ہے کہ جسے آج اسلامی کہا جا رہا ہے‘ یہ ڈکٹیٹر شپ کا نظام ہے۔ اُس کے خلاف تحریکیں اٹھائی جاتی ہیں کہ قوم کو قانون سازی کی جو آزادی ملتی ہے یہ نظام اُس کو سلب کرتا ہے کہ وہ جمہوریت نہیں ہوتی‘ پارلیمان نہیں ہوتی۔ قوم‘ ملت‘ امت اپنی مرضی سے قانون نہیں بنا سکتی۔ یہ نظام قوم کے اس اختیار یا آزادی کو سلب کرتا ہے اور پھر اُس کے خلاف بڑی بڑی تحریکیں اُٹھتی ہیں۔ ہزار سال پہلے ہمارے ہی جیسے کچھ آدمیوں نے کچھ قانون بنائے اور آج ان قوانین کو لاگو کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم ان کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے۔

خدا کی ذات کے علاوہ قانون سازی کا حق تو کسی نبی کو بھی حاصل نہیں

عزیزانِ من! ہمارے ہی جیسے انسانوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آج وہ ہماری آزادی سلب کریں۔ یہ حق صرف خدا کو پہنچتا ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں کہ ہم تیرے ہر قانون کی اطاعت کریں گے۔ اور خدا کی بھی اُسی صورت میں اطاعت ہوتی ہے کہ پہلے ہم اُس کو اپنا حاکم مانیں۔ خدا نے تو یہ کہہ دیا تھا کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے خواہ اُسے قانون سازی کے اختیارات ملیں‘ ایگزیکٹو کے ملیں‘ خواہ نبی بھی کیوں نہ ہو‘ اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انسانوں سے کہے کہ تم میرے محکوم ہو جاؤ بلکہ اُس کو کہنا چاہیے کہ تم خدا کی کتاب کے محکوم ہو جاؤ۔ وہ تو نبی کو بھی یہ حق نہیں دیتا چہ جائیکہ ہم جیسے انسان‘ خواہ علم میں کیسے ہی کیوں نہ ہوں قانون سازیاں کریں۔ وہ تو کہتا ہے کہ ان کو یہ حق کس نے دے دیا کہ وہ ہزار سال پہلے کوئی قانون بنائیں اور ہمارے اوپر وہ قانون اس طرح سے لاگو ہو کہ اُس کے خلاف ایک لفظ نہ کہہ سکیں؟ یہ کس طرح سے اسلامی قانون ہو سکتا ہے؟ آج کے ڈکٹیٹر کا بنایا ہوا قانون حتیٰ کہ آج کے نظامِ پارلیمنٹ کا بھی بنایا ہوا قانون ہو‘ اُس کو تو آپ کہیں نہ کہیں چیلنج کر سکتے ہیں لیکن ان شرعی قوانین کو چیلنج بھی نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنِ حکیم کی تعلیم قرآنی معاشرت کے لیے ہوتی ہیں

عزیزانِ من! یہ ٹھیک ہے کہ آج میری آواز اتنی مؤثر نہیں ہے‘ مجھے اُس کی پرواہ بھی نہیں ہے۔ میں یہ چیزیں اس لیے

---

❶ یہ اشارہ فتاویٰ قاضی خاں مع عالمگیری جلد دوم کی طرف ہے۔ ❷ یہ صدر ضیاء الحق (1988-1924) کے دورِ حکومت میں رائج کیے جانے والے قوانینِ حدود کی طرف اشارہ ہے جو 9 فروری 1979 کو نافذ ہوئے تھے۔

کہہ دیتا ہوں کہ غنیمت ہے کہ اس قسم کی ایجادات ہوگئی ہیں، یہ میرے سامنے رکھی ہیں جن میں یہ چیزیں محفوظ ہو جائیں گی۔ یہ دور اب لد رہا ہے خواہ وہ مذہبی پیشوائیت ہو، ملوکیت ہو، انسانوں کے قانون سازی کے اختیارات کا دور ہو، وہ اب لد رہا ہے۔ اس کے بعد دور آئے گا کہ اُس میں اس زمانے کی جب تاریخ سامنے آئے گی تو کم از کم کسی نے بھی یہ آواز سن لی تو وہ تو یہ چیز ہوگی کہ اس دور میں کوئی ایک تو ایسا تھا جو یہ آواز بلند کرتا تھا کہ غیر اسلامی نظام کے اندر اسلام کی بات کرنا بے معنی ہے۔ اُس نظام کو پہلے قرآن کی بنیادوں پہ استوار کیجیے پھر اُس کے اجزا کے متعلق گفتگو کیجیے، جو اُس کے اندر فِٹ اِن ہوتا ہے وہ اسلامی ہے اور جو اُس میں فِٹ اِن نہیں ہوتا، وہ غیر اسلامی ہے۔ خواہ وہ ہمارا بنایا ہوا ہو یا ہزار سال پہلے کا بنایا ہوا ہو۔ پہلے اُس انجن کو تو لاؤ جو بجلی سے چلنے والا ہے۔

عزیزانِ من! جو بنیادی چیز ہے وہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ: کسی کو اس کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ انسانوں کے لیے وہ قانون بنا کر اُن کی آزادی اور پابندی کی حدود قائم کرے۔ وہ تو اس گورنر [1] نے صرف اپنے مقام کے باہر ڈیوڑھی بنادی تھی کہ جس میں فریادی آ کر انتظار کریں، اُس کے متعلق خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ (581-644/45AD) نے کہہ دیا تھا کہ تمہیں کس نے یہ اختیار دیا جبکہ خدا نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا تو تم ان کو غلام بنا کر بٹھا رہے ہو۔

انسان کی سب سے زیادہ ذلت اور رسوائی معیشت کی بنا پر ہی ہوتی ہے

عزیزانِ من! قرآن کی بنیادی تعلیم احترامِ انسانیت ہے، شرفِ آدمیت ہے۔ کوئی کسی قسم کا ایکشن جس میں کسی انسان کی عزتِ نفس پر حرف آتا ہو تو اُس کی آزادی سلب ہوگی جو خدا نے اس کو دی ہے۔ یاد رکھیے! یہ یکسر غیر اسلامی ہے خواہ اس کا کچھ بھی نام کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ اُس کے نزدیک نظام، قانون، حکم صرف وہ اسلامی ہے جس سے انسانیت کے شرف اور احترام میں اضافہ ہوتا ہو یا کم از کم برقرار رہتا ہو۔ یہ معاشی نظام کے متعلق اُس نے اتنی اہمیت سے کیوں کہہ دیا؟ اس لیے کہ یہ روٹی کی احتیاج ہے جس کی رو سے انسان سب سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ پھر اُس کے بعد جو جی میں آئے اس سے کراتے چلے جایئے۔ یہ اتنا بڑا اہم مسئلہ ہے۔ قرآن نے اس بنیاد کو لیا ہے کہ روٹی کے معاملے میں کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا محتاج نہ ہوتا، وہ کسی دوسرے کا محکوم نہ ہو اور روٹی اس طرح سے ملے کہ اُس کے عزتِ نفس کے اوپر کوئی حرف نہ آئے۔

انسان کی انسانیت قرآنِ حکیم کے معاشی نظام سے ہی وابستہ ہے

یہ نظام جس میں ہر فرد کو اُس کی ضرورت کے مطابق اس طرح روٹی ملتی ہے کہ اُس کے احترامِ انسانیت پہ زد نہیں پڑتی تو وہ قرآن کا معاشی نظام ہے۔ اور باقی جتنے بھی نظام ہیں اُن میں آپ دیکھیے کہ انسان انسان کی حیثیت سے باقی نہیں رہتا۔ یہ غیر قرآنی نظام کیا ہے؟ معاشرے میں ایک بڑھئی آپ کے ہاں صبح سے آتا ہے، وہ دن بھر کام کرتا ہے، شام کو آپ اُس

---

[1] حضرت عمروؓ بن العاص بن سہمی۔

کا مقرر کیا ہوا اُس کو دیتے ہیں۔ اُس نے آپ کے لیے کچھ کر کے دیا ہے' اُس کے بدلے میں آپ اُسے کچھ دیتے ہیں۔ سبزی والا دودھ بیچنے والے کو سبزی دیتا ہے اور اُس سے دودھ لیتا ہے' اسے تعاون کہا جاتا ہے' یہ ایک دوسرے سے Cooperation (تعاون) ہے' معاشرے میں اس کی ضرورت ہے۔

مذہبی سوچ نے دین اور دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے

یہ روپیہ جو کسی کو قرض کے اوپر دیتا ہے' وہ سال بھر کے بعد سو روپیہ جو دیا تھا وہ سو کا سو تو واپس لیتا ہے لیکن اُس کے اوپر دس اور لیتا ہے۔ یعنی سو دیئے تھے' وہ سو واپس لے لیے تو پہلی چیز یہ کہ کچھ دیتا نہیں ہے' اور اگلی چیز یہ ہے کہ بغیر کچھ دیئے ہوئے لیتا ہے جیسے اس سو کے قرض دینے میں 110 لیے یعنی 10 روپے 100 روپے کے اوپر لیے۔ عزیزانِ من! جو بغیر کچھ دیئے ہوئے لیتا ہے یہی ربٰو ہے۔ اسلامی نظام کے استوار کرنے والوں نے تو یہ کہہ دیا تھا اور کر بھی دکھایا تھا۔ سنیئے! ایک بوڑھا ٹریژری آفس کی طرف جا رہا تھا۔ بائی دی وے ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہم نہ دین سے واقف ہیں' نہ اس کی اصطلاحوں کا پتہ ہے۔ ٹریژری آفس کا ترجمہ بیت المال ہی ہے اور ہمارا بیت المال اسلامی ہے اور ٹریژری آفس سیکولر ہے۔ ہاں' تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بوڑھا جا رہا تھا' کہا ❶ کہ کدھر جا رہے ہو؟ بوڑھے نے کہا کہ میں بیت المال کا کچھ Due (واجب الادا) ادا کرنے جا رہا ہوں۔ کہا کہ ہم نے تو تمہیں پہلے نہیں دیکھا' ابھی دیکھ رہے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ جی' میں غیر مسلم تھا' دوسری جگہ سے مسلمان ہو کر یہاں مدینے میں آیا ہوں۔ کہا کہ کب آئے ہوئے؟ بوڑھے نے کہا کہ ابھی دو مہینے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے کہ حکومت نے دو مہینے میں تمہارے لیے کیا کیا ہے؟ بوڑھے نے کہا کہ ابھی تو میں آیا ہوں۔ کہنے لگے کہ جب اُس نے تمہارے لیے کچھ کیا نہیں ہے تو تم اس کے لیے Due (واجب الادا) کیسے دے رہے ہو' انتظار کرو' جب وہ تمہارے لیے کچھ کر دے تو اُس کے بعد Due (واجب الادا) دینا۔ جو حکومت نے تمہیں دیا ہے اُس کے بدلے میں تم سے کچھ لینا ہے ورنہ یہ ربٰو ہو جائے گا۔

دین خداوندی کی عطا کردہ بنیادوں کے بغیر مذہبی سوچ کا محل کھڑا کرنے کی ناکام کوشش

ہمارے ہاں بحثیں چل رہی ہیں کہ جی' بنک کا سود حلال ہے یا نہیں؟ ڈیپازٹ کی ہوئی Money (رقم) حلال ہے یا نہیں؟ Provident Fund کے اوپر جو ہم لیں گے وہ حلال ہے یا نہیں؟ یہ وہی ہے کہ کوا حلال ہے یا حرام۔ عزیزانِ من! یہ بحثیں اسلامی نہیں ہیں۔ غیر اسلامی نظام کے اندر اسلامی بحثوں کا دخل کیا ہے۔ قرآن نے یہاں یہ کہا کہ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (30:39) تم جو اس طرح سے کسی کو کچھ دیتے ہو اور اُس کے بعد اُس میں سے زیادہ لیتے ہو تو سمجھتے یہ ہو کہ یہ سو کا سوا سو ہو گیا' یہ دولت بڑھ گئی۔ کہا کہ تمہارے تصور کے مطابق یہ بڑھ گئی ہے لیکن خدا اور رسول کے نظام کے مطابق یہ بڑھا نہیں ہے بلکہ یہ گھٹ گیا ہے۔

❶ یہ حضرت عمر فاروقؓ (581-644/45AD) کا واقعہ ہے۔

محنت کے بغیر حاصل کردہ دولت خداداد انسانی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتی ہے

اُس نے کہا یہ تھا کہ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (53:39) معاوضہ ہر فرد کا محنت کا ہے۔ یہ جتنے افراد کسی کو کچھ دے کر آرام سے بیٹھ جاتے ہیں اور خود کچھ محنت نہیں کرتے بلکہ دوسرے کی محنت کا استحصال کر کے کچھ لیتے ہیں' وہ کہتا ہے کہ قوم میں ایسے افراد موجود ہو جائیں جو محنت کچھ نہ کریں اور زیادہ سے زیادہ کمائیں تو اس سے قومی دولت کم ہو جاتی ہے۔ قومی دولت اُس صورت میں بڑھتی ہے کہ جو کام کرنے والے افراد ہیں ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کی جائے' ان کی پرورش کی جائے' ان کو اچھی غذا دی جائے' ان کے لیے اچھے حالات پیدا کیے جائیں۔ اسلامی نظام کی بنیاد یہ ہے۔ اب ایک تو یہ ہے کہ کوئی فرد ایسا نہ ہو جو محنت کرنے کے قابل ہو اور محنت نہ کرے۔ یہاں اصول لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى [1] (53:39) کا ہے۔ ان کو تو روٹی بھی نہیں مل سکتی جو محنت کرنے کے قابل ہوں اور محنت نہ کریں۔ جب اُس نے ہر فرد کو محنت کرنے والا بنایا ہے تو اگر اُس نظام کے اندر یا اُس مملکت میں ایسے لوگ ہونگے جو محنت نہیں کریں گے اور کھائیں گے تو اُس سے دولت کم ہو جائے گی۔ یعنی لائے کچھ نہیں اور اُس دولت میں سے کچھ کھا جائے تو اس سے دولت کم ہوگی۔

Investers ہوں یا Business Men یا Industrialists'

اگر ان کی جیب خالی کر دی جائے تو یہ ایک وقت کی روٹی کمانے سے عاجز دکھائی دیں گے

عزیزانِ من! جتنا بھی روپیہ Invest (لگا کر) کر کے اُس انوسٹمنٹ سے کچھ حاصل کیا جاتا ہے یہ ربوٰ ہے۔ یہ جتنے بڑے بڑے Business Men' (کاروباری حضرات)' Industrialists (صنعت کار)' جاگیر دار ہیں' یہ سرمائے کے اوپر کچھ لینے والے ہیں۔ اگر آج ان کے سرمائے Freeze (منجمد) ہو جائیں'' تاں اینا نوں ایک ٹائم دی روٹی کمان دا ول نیئں اوندا''۔ [2] آپ دیکھیے کہ ملک کے اندر ایک طبقہ ہے جو ملک کی دولت میں کمائی کر کے تو کوئی اضافہ نہیں کرتا بلکہ کمائی کرنے والوں نے جو دولت ملک میں پیدا کی ہے' اُس کو بیٹھا ہوا کھاتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح دولت کم ہوگی۔ عزیزانِ من! قرآنِ کریم کے دو الفاظ ہیں' کیا بات ہے قرآنِ کریم کی! کہا کہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا (3:130) اے جماعتِ مومنین! ربٰو مت کرو۔ آگے ہے کہ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (3:130)۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس کا ترجمہ کیا کیا جاتا ہے؟ کوئی ترجمہ' کوئی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیجیے آپ کو یہی ملے گا کہ سود در سود نہ کھاؤ۔ یہ بحثیں ہیں کہ قرآن نے سود در سود سے منع کیا ہے' سادہ سود سے منع نہیں کیا۔ میں نے کہا ہے کہ جب ایک دفعہ گاڑی دوسری پٹڑی پہ جا پڑے تو جتنی تیزی سے چلتی جائے گی اپنی منزل سے دور ہٹتی چلی جائے گی۔

---

[1] انسان کو وہی نتائج مل سکیں گے جن کے لیے اس نے محنت اور کوشش کی ہوگی۔ جیسی جدوجہد' اسی قسم کے اس کے نتائج۔ خدائی پیمانے کے مطابق معاوضہ صرف محنت کا ہوگا (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔ 244)۔

[2] انہیں تو ایک وقت کی روٹی کمانے کا ڈھب بھی نہیں آتا۔

ربوٰ کے نظام کا ماحصل ہمیشہ دولت اور صلاحیتوں کی کمی کی شکل میں ظاہر ہوا ہے

یہ اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً (3:130) ہے۔عربی زبان جاننے والے جھوم جائیں۔کہا ہے کہ تمہارے ذہن میں یہ ہے کہ اس ربٰو سے دولت بڑھتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس سے دولت بھی گھٹتی ہے اور کمانے کی صلاحیتیں بھی ماند پڑ جاتی ہیں۔وہ کہنا ہی یہ چاہتا ہے کہ تم فریبِ نفس میں مبتلا ہو کہ اس سے دولت بڑھ جاتی ہے۔ہوتا یہ ہے کہ اُس فرد کی کمانے کی صلاحیتیں مضمحل ہوجاتی ہیں اور قوم کی دولت کم ہوجاتی ہے۔کہا کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (3:130) ڈرو اس کے انجام سے۔اب دیکھیے قرآن ربٰو کے مقابلے میں کیا لفظ لاتا ہے۔وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَا۟ فِىۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ (30:39) خدا کے معیار اصول اور نظام کے مطابق، یہ دولت ربٰو سے بڑھتی نہیں ہے۔ وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ (30:39) دولت زکوٰۃ سے بڑھتی ہے۔تو ربٰو کے برعکس وہ جو لفظ لایا ہے وہ زکوٰۃ کا لفظ ہے۔

مروجہ تراجم نے قرآن کے معاشی نظام کی اصطلاحات کو بدل کر رکھ دیا

انہوں نے ربٰو کا ترجمہ سود کیا، پھر سود کی بجائے منافع کیا اور اُسی کے اندر پہلے مزارعت لائے یعنی اگر آپ کسی مزارع کو زمین خرید کر دیدیتے ہیں تو اُس سے آدھی بٹائی تمہاری ہے۔ Sleeping Partner (غیر کارگزار پتی دار) کی حیثیت سے گویا اگر آپ کسی بزنس (کاروبار) میں Invest (سرمایہ لگا) کر دیتے ہیں تو اُس کے منافع میں جو کچھ مقرر کرو،وہ شیرِ مادر کی طرح حلال ہے۔انہوں نے بہرحال ربٰو کو یہ کیا۔اس سے تو پوچھو نہیں کہ کتنی دولت آتی ہے۔اب اُس کے بعد کہا کہ ربٰو حرام ہے۔اس کے مقابلے میں کہا کہ تم زکوٰۃ دیدو تو جتنا روپیہ تم جمع کرو گے وہ سارے کا سارا شیرِ مادر کی طرح حلال ہوجائے گا۔اور زکوٰۃ کے متعلق یہ قانون بنالیا کہ اس میں %2.5 دیدیا جائے تو وہ زکوٰۃ ہوتی ہے۔

اگر ربٰو کا کتا پانی میں ہی رہے تو زکوٰۃ کے اڑھائی ڈول نکالنے کا کیا مقصد؟

اس سارے مال میں سے جو اس طرح سے جمع کیا ہے کہ جو اپنی محنت سے نہیں لیا گیا خواہ وہ مزارعت سے ہو، مضاربت سے ہو، بینک کے منافع سے ہو، تو فتویٰ یہ ہے کہ اس دولت کی حد بندی نہیں کی جاسکتی اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کس حد تک تم یہ دولت جمع کر سکتے ہو۔اس سارے کے سارے کو حلال کرنے کے لیے اس میں اڑھائی پرسنٹ دیدیا جائے تو باقی سارا حلال وطیّب ہوجاتا ہے۔یہ سراسر ربٰو کے نظام سے اکٹھی کی ہوئی دولت ہے اور اُس میں سے اڑھائی پرسنٹ دیدیا جائے تو ان کے نزدیک حلال وطیّب ہوجاتا ہے۔جا کر مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھا کہ پانی میں کتا گر گیا ہے اب کیا کریں۔مولوی صاحب نے کہا کہ اُس میں سے پچاس ڈول نکال دو تو وہ حلال ہوجائے گا۔انہوں نے اُس میں سے وہ پچاس ڈول نکال دیئے۔اُس کے باوجود پانی کو دیکھا تو پتہ چلا کہ اتنے میں کتا پھول کر پھٹ بھی گیا تھا، اُس میں بو بھی آتی تھی اور کچھ ذرے بھی نکلے تھے۔اب کسی ہیلتھ آفیسر نے اس پانی کے متعلق پوچھا کہ اس میں کتا گر گیا تھا تو تم نے کیا کیا؟ کہنے لگے کہ مولوی صاحب

سے فتویٰ پوچھا تھا تو اُنہوں نے کہا تھا کہ پچاس ڈول نکال دو تو حلال وطیّب ہو جائے گا۔ آفیسر نے کہا کہ پچاس ڈول تو نکال دیئے ''وچوں کتا وی کڈیا کے نہیں' کہندے کہ اے تے مولوی صاحب نے کہیا ای نہیں سی ہیگا'' ❶۔ اڑھائی فیصد کے حساب سے ڈول نکال دو اور ربوٰ کے نظام کا کتّا اُسی طرح رہنے دو۔

مذہب کے معاشی نظام کو قرآن کا معاشی نظام سمجھتے ہوئے اہلِ مغرب کی تنقید

عزیزانِ من! میں کچھ خوش ہو کر یہ باتیں نہیں کہتا۔ زندگی کا آخری دور ہے' میرے دل کی چیخیں ہیں جو نکل رہی ہیں۔ مجھے نہ ان لوگوں کے فقہ سے کوئی واسطہ ہے نہ' ان سے واسطہ ہے' مجھے واسطہ اس سے ہے کہ اسلام دنیا میں بدنام ہو رہا ہے۔ میری تو بدبختی یہ ہے کہ میں ان مغرب والوں کے خیالات پڑھتا ہوں۔ وہ جو آپ کے اکنامک سسٹم کے اوپر تنقید کرتے ہیں تو میری نگاہیں زمین میں گڑ جاتی ہیں کہ وہ اسلام کے متعلق یہ سب کچھ کہتے ہیں۔ اور اس سارے معاشرے کے مجرم یہ لوگ ہیں جو اس کو اسلام کہہ کر دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ کہا کہ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (30:39) اس سے اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اضافہ زکوٰۃ سے ہوتا ہے۔

ہر فرد کی معاشی ذمہ داری مملکت کو پوری کرنا ہوگی

زکوٰۃ کے لفظی معنی بھی قرآن سے یہ ہیں کہ کام کرنے والوں کو سامانِ نشوونما مہیا کرو۔ روٹی کی فکر دور کر دو' یہ پریشانی نہ رہے' ان کو اس کی فکر ہی نہ ہو کہ شام کو گھر جاؤں گا تو بچے بلک رہے ہونگے۔ یہ اپنے ذمے لو' قرآن کے نظام کی رو سے ہر فرد اور اس کے بچوں کی ذمہ داری مملکت پر ہوتی ہے۔ یہ نظام کی بنیاد ہے۔ زکوٰۃ کے یہ معنی ہیں کہ ان سب کی نشوونما کرو۔ ایسا جامع لفظ زکوٰۃ قرآن نے کہا ہے' نہ روٹی کہا ہے نہ کپڑا کہا ہے نہ مکان کہا ہے نہ میڈیکل ایڈ کہی ہے بلکہ ایک جامع لفظ ہے زکوٰۃ کہ سامانِ نشوونما اور یہ نشوونما بھی صرف Physical (جسمانی) نہیں ہے کہ اُسے پہلوان بنا دو بلکہ نشوونما میں ذہنی صلاحیتیں بھی ہیں' قلبی صلاحیتیں بھی ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اہلِ جنت کو سامانِ نشوونما ملتا جائے گا۔ وہاں تو یہ روٹی والی بات نہیں ہے۔ وہاں سامانِ نشوونما کیا ہے؟ وہاں انسان کی اور صلاحیتیں ہیں جنہوں نے آگے بڑھنا ہے۔ تو اس چیز کے لیے زکوٰۃ جامع لفظ ہے کہ ان کو سامانِ نشوونما دیتے چلے جاؤ۔ یہ دیتے چلے جاؤ گے تو پھر تم دیکھو گے کہ کس طرح سے قوم کی دولت بڑھتی ہے۔

قوموں کے اندر کمانے کی استطاعت کیونکر کمزور پڑتی ہے

دو سو سال پہلے کی بات ہے کہ اُس ❷ نے "Wealth of Nations" کتاب لکھی تھی وہ آج بھی بڑی اسٹینڈرڈ کی کتاب مانی جاتی ہے۔ اُس میں مسئلہ یہ ہے کہ فرد کی انکم کا سوال نہیں ہوتا بلکہ قوم کی دولت کا سوال ہوتا ہے۔ قرآن وہ طریق

---

❶ پچاس ڈول پانی تو نکال دیا' یہ بتاؤ کہ اس میں سے کتا بھی نکالا تھا یا نہیں؟ کہنے لگے کہ مولوی صاحب نے یہ تو کہا ہی نہیں تھا۔

❷ اس کتاب کے مصنف کا نام آدم سمتھ (Adam Smith: 1723-1790 AD) ہے۔

بتاتا ہے جس سے قومی دولت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ وہ ہوتی اس طرح سے ہے کہ جو افراد کمانے والے ہیں وہ کماتے نہیں ہیں تو ان کی محنت کرنے کی صلاحیتیں اور استطاعت دن بدن مضمحل ہوتی چلی جاتی ہیں' وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔ اور دوسری طرف جو محنت کرتے ہیں تو ان کی محنت کی کمائی کا ایک حصہ ان کمائی نہ کرنے والوں کے لیے چلا جاتا ہے۔ یہ محنت کرنے والے بھوکے مر جاتے ہیں اور وہ محنت نہ کرنے کی وجہ سے سہل انگار ہو جاتے ہیں۔ قومی دولت میں اسی وجہ سے کمی واقع ہوتی ہے۔

بھوک کا خوف ختم ہونے پر انسانی صلاحیتیں کہیں زیادہ نشوونما پاتی ہیں

کہا کہ سوال یہ ہے کہ کسی کی کمائی میں سے کوئی شخص کچھ نہیں لے سکتا اور ہر فرد کی نشوونما کی ضروریات کی ذمہ داری مملکت کے پاس ہوتی ہے۔ اب نہ کسی کے پاس فاضلہ دولت ہوتی ہے نہ خوامخواہ کسی کی مت ماری ہوئی ہے کہ روپیہ جمع کر کے رکھے اور رکھے تو اُس کو کیا کرے کیونکہ کوئی مکان نہیں بنا سکتا کہ جس کو کرائے پہ دے' کوئی زمین نہیں لے سکتا کہ جس کو پٹے پہ دے' انوسٹ نہیں کر سکتا کہ جہاں سے منافع لے۔ قرآن نے کہا کہ ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری لیتے چلے جاؤ' خود لو اور اُس کو اُس کام کے لیے فارغ کر دو جو کام اُس کے سپرد ہے پھر دیکھو کہ وہ کتنا کام کرتا ہے۔ رزق بہم پہنچاؤ۔ عربی میں رزق کے معنی سامانِ زندگی تو ہے لیکن اُس میں عربوں کے ہاں شرط ہے کہ سامانِ زندگی جو بروقت دیا جائے اُسے رزق کہتے ہیں۔ وہ رزق دیتا ہے تو بروقت دیتا ہے۔

جو قوم اپنا رشتہ قرآنی نظام سے وابستہ رکھے تو اس کی خزاؤں میں بھی بہار کا عنصر پوشیدہ ہوتا ہے

کہا کہ یہ ہے زکوٰۃ جو ہم نے کہا ہے کہ ''سامانِ نشوونما کی ذمہ داری لو''۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (30:39)۔ پہلے سے سارا نظامِ کائنات یہ لیے چلا آ رہا تھا جس سے یہ نتائج اخذ کر کے آگے اُس نے بہم پہنچائے تھے کہ دیکھتے ہو کائنات کی ہر شے خدا کے قوانین کے تابع چلتی ہے۔ خزاں بھی آتی ہے تو درخت روتا نہیں ہے کیونکہ اُسے پتہ ہوتا ہے کہ اُس کی ٹہنیوں کے اندر بہار پوشیدہ ہے لیکن جو ٹہنی درخت سے ٹوٹ کر گر گئی پھر اُس کے نصیب میں بہار نہیں ہوتی کیونکہ اُس نے قانونِ خداوندی سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔ یہ بات پیچھے سے چلی آ رہی تھی۔ یہاں تک قرآن لایا کہ سامانِ رزق دیتے چلے آؤ۔ اب کہا کہ آؤ ہمارے نظام کی طرف دیکھو تو سہی کہ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ [1] (30:40)۔ دیکھتے ہو ہمارا نظامِ معیشت۔ پیدا ہونے سے پہلے کی بات تو تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے لیکن ہوتا یہی ہے۔

رحمِ مادر میں ایک جرثومے سے انسانی جسم کی تکمیل اور اس کی پرورش کا حیرت انگیز کرشمہ

عزیزانِ من! آج تک یہ بڑے بڑے سائنٹسٹ محوِ حیرت ہیں کہ رحمِ مادر میں ایک ذرا سا جرثومہ جو Naked Eye

[1] یہ قانون اس خدا کا ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا اور سب کے لیے رزق (سامانِ زیست) مہیا کیا۔ (لہٰذا' جب رزق سب کے لیے ہے تو اس کی تقسیم بھی اس طرح ہونی چاہیے کہ اس سے سب کی نشوونما ہو جائے)۔ (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔939)۔

(خالی آنکھ) سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا' کس طرح سے ایک پورا انسانی بچہ بن جاتا ہے۔ گوشت پوست' اندر کے اعضاء' دماغ' ہڈیاں' قلب' ان سب چیزوں کی کہاں سے پرورش ہوتی ہے' کیسے پرورش ہوتی ہے۔ یعنی سینکڑوں کی تعداد میں یہ عناصر ہوتے ہیں جن سے کہیں یہ خون بنتا ہے یا انسان کا جسم بنتا ہے۔ کہا کہ یہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ بچے کی پیدائش سے دس منٹ بھی پہلے یہ رزق کے جو چشمے تھے وہ رواں نہیں تھے' جونہی وہ اس دنیا میں آیا تو اُس کا پہلے نظام سے رشتہ منقطع ہوا۔ یہاں آنے کے بعد اگر ایک سانس کے لیے بھی ہوا نہ ہو تو بچہ مر جاتا ہے۔ کہا کہ اُس کے پیدا ہونے سے پہلے ہم نے ہوا بنائی' روشنی بنائی' حرارت بنا دی اور اُس کے ساتھ ہی رزق کے چشمے رواں کر دیئے۔ وہاں انہیں رواں کیا ہے اور اس بچے کے اندر' جس کو اس سے پیشتر پتہ نہیں تھا کہ میں نے ماں کے تھنوں سے دودھ پینا ہے' تو یہ چیز اس کو کس نے سکھائی؟ اندر رحمِ مادر میں تو یہ بات نہیں جانتا تھا' اندر تو نہ یہ تھن تھے اور نہ یہ دودھ پیتا تھا۔ باہر آتے ہی کونسے استاد نے یہ بات کہی کہ اب وہ بلک کر چھاتیوں کی طرف جاتا ہے۔ رزق مل رہا ہے' بروقت مل رہا ہے۔ یہ نظامِ قدرت ہے۔ گوالا جو دودھ لاتا ہے تو گھر والے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ تُو نے اس میں پانی ڈالا ہے' وہ کہتا ہے کہ حرام ہے جو ایک قطرہ بھی پانی ڈالا ہو' اصل میں وہ بھینس نئی بچہ والی ہے' اس لیے اس کا دودھ پتلا ہے۔ یہ جو بچہ پیدا ہوا ہے تو اُس میں ابھی ہضم کرنے کی قوت بڑی کم ہوتی ہے تو یہ جو شروع میں پہلے دودھ آتا ہے تو اُس میں پانچ فیصد غذا ہوتی ہے اور پچانوے فیصد پانی ہوتا ہے۔ اور آپ حیران ہونگے کہ جوں جوں اس کے معدے کی قوتِ ہاضمہ بڑھتی چلی جاتی ہے تو اندر ایک مشینری از خود لگی ہوئی ہے وہ پانی کم کرتی چلی جاتی ہے اور دودھ گاڑھا کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ کون کرتا ہے؟ عزیزانِ من! رزق' مناسب نشوونما' وہ بروقت دے رہا ہے۔ یہ جو آپ کے ہاں Powder (پاؤڈر) دودھ کے ڈبے بنے ہوئے ہیں تو ان کے باہر جو چارٹ لگا ہوا ہوتا ہے کہ پہلے مہینے میں دودھ کی اتنی چمچیاں اور اتنے چمچ پانی کے' تو جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے وہ دودھ کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور پانی گھٹاتے چلے جاتے ہیں۔ یہ انہوں نے جو چارٹ بنایا ہے تو یہ ماں کے دودھ کا Analysis (تجزیہ) کر کے بنایا ہے۔

پیدائش سے پہلے رحمِ مادر میں کوئی بچہ بھوک سے نہیں مرتا

کہا کہ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ (30:40)۔ او کم بختو! اپنے ہاں یہ نظام رائج کرو۔ جتنی دیر تک یہ بچہ ہمارے کائناتی قانون کے اوپر ہے تو ہم حیوان کے بچے کو اور انسان کے بچے کو اس طرح سے رزق دیتے چلے جاتے ہیں۔ اُس کے بعد حیوان کا بچہ انہی کے ساتھ آزادی سے کھاتا پیتا ہے' وہاں کسی نے لکیریں نہیں کھینچی ہوئیں۔ اب جو انسانی بچہ تمہارے بس میں پڑ گیا تو دوسرے ہی دن بھوکا رہتا ہے کہ دودھ والا دودھ نہیں لایا کیونکہ اس کا بل نہیں دے سکے تھے اس لیے اُس نے دودھ بند کر دیا ہے۔ دنیا کی پچاس فیصد آبادی آج بھی رات کو بھوکا سوتی ہے۔ خدا کے نظام میں تو کوئی بچہ بھوکا نہیں سوتا۔ زکوٰۃ کے معنی اب آپ نے سمجھ لیے کہ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ (30:40)۔ ذرا سوچو کہ تمہارے نظام میں یہ نقص کہاں واقع ہوتا ہے؟ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ (30:40) ہمارا طبعی قانون ہے اور اُس کے مطابق ایک دن اس جسم

کی مشینری نے چلنا بند کر دینا ہے' اسے موت کہتے ہیں۔

حیوانی اور انسانی زندگی میں ایک بنیادی فرق ہے

کہا کہ اگر تصورِ حیات یہ ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے' کھاتا پیتا ہے' بڑھتا پھولتا پھلتا ہے' جوان ہوتا ہے' بوڑھا ہوتا ہے' مرجاتا ہے اور اس کے بعد انسانی زندگی ختم ہوجاتی ہے تو حیوان کے ساتھ بھی یہی بیتتی ہے اور انسان کے ساتھ بھی یہی بیتتی ہے۔ اگر یہ تصورِ حیات ہے تو اب آپ کا نظام حیوانی سطح پہ آ گیا۔ حیوانی سطح یہ ہے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ شیر کی قوت اگر بڑھی ہوئی ہے تو اُس کی موجودگی میں کوئی اور جانور شکار نہیں کرسکتا۔ البتہ حیوان میں بھی اتنا ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت کے مطابق خون پیتا ہے' گوشت کھاتا ہے اور باقی دوسروں کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ وہاں Law (قانون) قوت ہے' جس میں جتنی قوت ہے وہ اتنا ہی تسلط رکھتا ہے۔ کہا کہ اگر زندگی کا تصور حیوانی ہے کہ پیدا ہوا اور اس نے اپنی زندگی بسر کی' پھر اس نے مرجانا ہے' ختم ہوجانا ہے تو پھر کسی Value (قدر) کی' کسی انسانیت کے شرف کی کسی قسم کا' کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس نے جتنا چھین لیا' جھپٹ لیا وہ اس کا ہے۔ یہ ہے ایک سیکولر نظام کہ اس میں سارا مال جمع بھی کرنا ہے' دوسروں کی کمائی کو چھین بھی لینا ہے' دوسروں کو بھوکے بھی مار دینا ہے' محتاج بھی کر دینا ہے' محکوم بھی بنا دینا ہے۔ یہ سارا نظام اس لیے ہے کہ زندگی کا تصور یہ ہے کہ مر گئے اور معاملہ ختم ہوگیا۔ ''ایہہ جہان مٹھا' اگلا کن ڈٹھا''[1]۔ اس اتنی سی چیز سے پھر ہر چیز جائز ہوجاتی ہے۔ اور زندگی کا دوسرا تصور یہ ہے کہ جسم پہ تو موت وارد ہوتی ہے لیکن جسے انسان کہا جاتا ہے وہ اس کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور جو کچھ اس نے یہاں کیا ہوا ہوتا ہے اُس کے مطابق اُس کے نتائج اُس نے وہاں بھگتنے ہوتے ہیں۔ یہ جو تصورِ حیات ہے کہ انسان یہاں جو کچھ کرتا ہے اگر یہاں اُس کے نتائج سے وہ کسی طرح بچ جاتا ہے تو وہ سوسائٹی کے قوانین ہیں۔ پہلے تو ان قوانین کی صورت یہ ہے کہ اگر سوسائٹی ربٰو کو جائز قرار دیتی ہے تو یہ کوئی جرم ہی نہیں ہے' اگر وہ اس کو جرم قرار دیتی ہے تو بچنے کی تدبیریں موجود ہیں لیکن اگر Concept of Life (تصورِ حیات) یہ ہے کہ

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب   خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

(غالب)

مجھے کسی کے سامنے جا کر ایک ایک قطرے کا حساب دینا ہے پھر انسان یہاں حیوانی سطح کی زندگی بسر نہیں کرتا' اور پھر Law (قانون) جنگل کا نہیں ہوتا بلکہ Law of Values (اقدار کا قانون) ہوتا ہے۔ اور Value (قدر) یہ ہے کہ کسی دوسرے کی محنت سے کچھ بھی استحصال کرنا بدترین جرم ہے جس کا مواخذہ خدا کے ہاں ہوگا۔ فرد کی سطح پہ اور مملکت کی سطح کے اوپر بھی یہی نظام ہے۔ حضرتِ عمرؓ (581-644/ 45 AD) نے ایک فقرے میں بات بتا دی۔ ان سے پوچھا گیا کہ خلافت کیا ہوتی ہے؟ کہنے لگے کہ میں تو اتنا ہی سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں اس کی جوابدہی ہے کہ ''کہاں سے لیا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا''؟ کیا نگاہیں تھیں ان لوگوں کی! کہا کہ اگر اس کا جواب اطمینان بخش دیدیا گیا تو وہ خلافت بھی ہے اور وہ جو خلیفہ ہے یہ

[1] یہ جہاں میٹھا ہے اگلا جہان کس نے دیکھا۔

بچ بھی گیا اور اگر اس Audit (آڈٹ) میں وہاں کوئی سقم رہ گیا تو نماز روزہ نہیں بخشوا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اس نظام میں نماز روزہ کا مقام اور اہمیت کیا ہے؟

نظام کو عملی شکل دینے کے سلسلہ میں نماز روزہ کا مقام اور اس کی اہمیت

عزیزانِ من! یہ جو میں نے نماز روزہ کہا تو ان کی اہمیت بھی کم نہیں ہے۔ ان کی تو اتنی ہی حیثیت ہے کہ مثلاً اگر آپ ایک بڑھئی کو دس بیس یا چالیس روپے ❶ دیہاڑی پہ لاتے ہیں۔ اُس سے آپ نے ایک دروازہ بنوانا ہے۔ وہ شروع میں آ کر اپنے تھیلے سے پتھر کی سل نکالتا ہے اور اپنے اوزار تیز کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر وہ بڑھئی سارا دن اپنے ان اوزاروں کو تیز کرتا رہے اور شام کو آپ سے کہے کہ لایئے چالیس روپے تو کیا آپ اُسے دیدیں گے؟ دروازہ بنانے کے لیے یہ اوزار تیز کرنا ضروری تھا' مگر وہ دروازہ تو بنائے نہیں اور سارا دن اوزار تیز کرتا رہے تو کیا اس سے دروازہ بنانے کا وہ مقصد پورا ہو جائے گا؟ عزیزانِ من! یہ جو نماز روزہ ہے' یہ تو ان ہتھیاروں اوزاروں کو تیز کرنے کے لیے ہیں تاکہ تم دروازہ بنا کر لا سکو۔ یہ پتھر کی سل بھی ضروری ہے لیکن مقصود بالذات نہیں ہے' مقصود بالذات تو دروازہ بنانا ہے' مزدوری دروازے کی ملنی ہے۔ تصورِ حیات یہ ہے کہ میں نے جو ان سے معاملہ کیا ہے کہ چالیس روپے لونگا اور ان کا دروازہ مجھے بنا کر دینا ہے۔ اور یہ چیز یہی نہیں ہے کہ آج شام ختم ہوگئی اور معاملہ ختم ہو گیا بلکہ یہ جو ان کے ساتھ اقرار نامہ ہوا ہے تو وہ شام اور سویر کا سوال ہی نہیں ہے وہ مقصود تو دروازہ بنانا ہے۔ اسی طرح یہاں سے زندگی کے ختم ہونے کا سوال بھی نہیں ہے بلکہ زندگی اس سے بھی آگے چلے گی تو یہ نماز روزہ مقصود بالذات نہیں ہے ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ یہ تصورِ حیات ہے کہ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (30:40) پھر زندہ بھی ہونا ہے۔

خدائے علیم وخبیر اس نظامِ کائنات کو صرف آئینی قوت کے ساتھ کنٹرول کرتا ہے

قرآن کریم نے کہا ہے کہ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (30:40) بتاؤ کوئی اور ہستی بھی ایسی ہے جو تمہارے لیے ایسا نظام پیدا کر دے۔ ٹھیک ہے ماں کا دودھ نہیں دیتے' ڈبے کا دودھ دیتے ہو تو ڈبے کا دودھ بھی تو خدا کا پیدا کردہ ہے کہ وہ جو گائے اور بھینس میں دودھ ہے' یہ اُسی کی شکل ہے۔ اصل یعنی اوریجن کے اعتبار سے تو یہ سارا رزق خداوندی ہے تم تو صرف شکل ہی بدلتے ہو' رزق تو وہی ہے جو گیہوں کا دانہ ہے جس سے تم نے ڈبل روٹی بنالی۔ پوچھا کہ کیا کوئی اور ایسی ہستی ہے جو رزق کی یہ بنیادی چیزیں تمہیں مہیا کر سکے۔ یہ چیزیں ایک مقصد کے حصول کے لیے مہیا کی تھیں۔

بقا اسی نظامِ حکومت کو ہوگی جو پوری نوعِ انسانی کے لیے منفعت بخش ہوگا

قرآن کہتا ہے کہ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (13:17) اُسی عمل کو' اُسی کام کو' بقا حاصل ہوگی جو

---

❶ یاد رہے یہ بات ستمبر 1979 کی 28 تاریخ کو کہی گئی تھی۔

نوعِ انسانی کے فائدہ کے لیے کیا جائے۔ جن اعمال میں اپنی نجات ہوگی وہ اسلامی نہیں ہے' وہ مذہب کی چیزیں ہیں۔ تم نے رندے کو تیز کرنا ہے' تیز اس لیے کرنا ہے کہ اس سے انسانیت کا بھلا ہو۔ کیا اس ذاتِ خداوندی کے علاوہ کوئی اور ایسا ہے؟ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (30:40) جاؤ' نگاہ دوڑا کر دیکھو' کوئی اور تمہیں ایسا نہیں ملے گا جو اس کی اس صفتِ رزاقیت کے اندر شامل ہو۔ اب اُس کے دیئے ہوئے رزق کے متعلق اس نے کہا ہے کہ یہ تمام نوعِ انسانی کے لیے ہے اور وہ رب العٰلمین ہے۔ اُس کے اس دیئے ہوئے رزق کو جب تم سنبھال لو تو اُس میں سے آدھے انسانوں کو تو دو اور آدھے انسان بھوکے مر جائیں تو تم نے تو خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

عزیزانِ من! سورۃ البقرہ کے شروع میں ہی جہاں زمین کا سوال ہے کہ ہم نے اس کو انسانیت کی بہبود کے لیے پیدا کیا' کہا کہ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (2:22) خدا کے ہمسر اور خدا نہ بناؤ کہ ہم نے انسانیت کی پرورش کے لیے پیدا کیا ہے اور تم اُس کو سمیٹ کر بیٹھ جاؤ۔ یہ دوسرا خدا بنا لینا ہے۔ کہا کہ جب بنیادی طور پر جو ذرائع رزق اور وسائلِ رزق ہیں' وہ صرف خدا کے ہیں' کسی انسان کے بنائے ہوئے نہیں ہیں' تو کسی انسان یا انسانوں کے نظام کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ اُس کی تقسیم اپنی مرضی کے مطابق کرے۔ جس دن بھی کوئی پوسٹ مین منی آرڈرز کی تقسیم اپنی مرضی کے مطابق کرے گا تو دوسرے دن وہ جیل خانے میں ہوگا۔ وہ تو اُسے اُس پروگرام کے مطابق تقسیم کرنے ہیں جو وہاں سے ملا ہے۔ اُس کا اپنا حصہ تو وہ چار پیسے تنخواہ کے ہیں جو اس کو تقسیم کرنے کے مل رہے ہیں۔

انسانی ضرورتوں کو متعین کرنے کا فارمولا

میرے پاس جب دوست آتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ہر ایک کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری مملکت پر ہوتی ہے اور ضرورت سے جو زائد ہے وہ دوسروں کے لیے دیا جاتا ہے' وہ کہتے ہیں کہ صاحب! اگر ایک شخص اپنی ضرورتیں ہی اتنی زیادہ بڑھا دے کہ اس کے پاس کچھ بچے ہی نہیں بلکہ جو کمایا ہے وہ بھی کم ہی رہ جائے' یعنی کوٹھیاں بھی ضرورت ہے' موٹر سائیکل بھی ضرورت ہے' نوکر چاکر بھی ضرورت ہے۔ یہ ضرورتیں اگر اُس نے خود متعین کرنی ہیں تو کیسے کرے؟ ہمارے ہاں یہ مثالیں موجود ہیں کہ جو ضرورت متعین کرتا تھا وہ کیسے کرتا تھا' یہ ضرورتیں امیر المومنین متعین کرتا تھا۔ اس کی مثالیں سنیے۔ سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ (573-634ء) خلافت سنبھالنے کے دوسرے دن حسبِ معمول کپڑا بیچنے کے لیے نکلے۔ پہلے وہ کپڑے بیچا کرتے تھے۔ یہ ان کا کاروبار تھا۔ کہا کہ کدھر جا رہے ہیں؟ اُنہوںؓ نے کہا کہ کاروبار کے لیے کپڑے لے جا رہا ہوں۔ کہنےؓ لگے کہ حضرت! آج سے آپ کا سارا وقت امت کی امانت ہے اور آپ کو حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق اُسے صرف کریں۔ تو پہلی دفعہ یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ جو ہیڈ آف دی سٹیٹ یا سربراہِ مملکت ہے اس کا وظیفہ کیا ہونا چاہیے۔ اُنہوںؓ نے کہا کہ بھئی! یہ مجھ پہ چھوڑ دو اور کہا کہ مدینے میں ایک مزدور کی کم از کم اجرت جتنی ہے تو میرا وظیفہ بھی اتنا ہی مقرر کر دو کیونکہ میں امت کا مزدور ہوں۔ کہا کہ اس میں گذارہ کیسے ہوگا؟ جواب دیا کہ جیسے اُس مزدور کا گذارہ ہوتا ہے۔ کہنے لگے اگر مزدور کا گذارہ نہ ہوا' تو؟ کہنے لگے کہ پھر میں اُس مزدور کی اجرت بڑھا دونگا تا کہ اُس کے صدقے

میں میری اجرت بڑھ جائے۔عزیزانِ من! ہمیں پتہ ہی نہیں ہے کہ خدا پر ایمان کسے کہتے ہیں' حیات بال آخرت کا ایمان کسے کہتے ہیں؟ یہ کچھ ہم جانتے ہی نہیں ہیں۔

دنیا بھر میں ہر قسم کا فساد رزق کی غلط تقسیم کی بنا پر ہی برپا ہوتا ہے

وہ رزق جس نے پیدا کیا ہے وہ تو خدا کی ذات ہے۔ یہ سارا جو کچھ دنیا میں فساد برپا ہے یہ اُس کی غلط تقسیم کی وجہ سے ہے۔سب سے بڑا ذمہ دار اپنا وظیفہ ایک مزدور کی مزدوری جتنا ٹھہراتا ہے تو نظام خود بخود ٹھیک ہوجاتا ہے۔کہا کہ آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے یہ تمہارا نظام غلط ہے جس کی وجہ سے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (30:41) ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری دنیا کے اندر فساد ہی فساد برپا ہوجاتا ہے' ناہمواریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (30:41) انسان خود نظام بناتا ہے تو یہ اُس کی وجہ سے ہوتا ہے۔

عزیزانِ من! چودہ سو سال پہلے یہ باتیں کہی گئی ہیں جب ان کی نگاہیں جزیرۃ العرب سے ذرا آگے بھی نہیں جاتی تھیں۔آج نظر آرہا ہے کہ براور بحر کے اندر کس طرح سے عالمگیر فساد برپا ہے۔ہمارے ہاں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کو منظور ہی یہ ہے' تقدیر ہی یہ ہے' وہ جس قوم کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے' جس کا چاہتا ہے رزق تنگ کردیتا ہے' جس کا چاہتا ہے کھلا کر دیتا ہے اور یہاں کہا ہے کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (30:41) یہ ناہمواریاں خود لوگوں کی اپنی پیدا کردہ ہیں' خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ذات انسانوں کو ان کی بدعملیوں کی بنا پر ساتھ کے ساتھ جھٹکا دیتی رہتی ہے

ابھی اس سے پہلے یعنی 36 ویں آیت ہی تھی جس میں کہا تھا کہ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (30:36) یہ مصیبتیں جو تمہارے سامنے کھڑی ہوئی ہیں' یہ اچانک نہیں آ گئیں بلکہ یہ پہلے سے تمہاری بھیجی ہوئی ہیں۔یہاں کہا کہ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (30:41) یہ انسانوں کے ہاتھوں کا کیا ہوا ہے۔خدا کا نہیں۔اس لیے کہا کہ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا [1] (30:41) جو نظام انہوں نے وضع کیا ہے تو اُس میں کچھ حصہ ایسا ہے جس کا ابھی ابھی ان کو بدلہ مل جائے گا۔یہ اس لیے ہے کہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (30:41) شاید اس سے یہ نظامِ خداوندی کی طرف واپس آجائیں۔اگر پہلے ہی ہلّے کے اندر ان کو ختم کر دے تو لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (30:41) کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔یہ جو لفظ يَرْجِعُونَ ہے یہ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (2:156) سے ہی ہے کہ خدا کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔یہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ہے کہ ہم تھوڑا سا جھٹکا دیتے ہیں تاکہ یہ اپنے خود ساختہ نظامِ زندگی سے منہ موڑ کر ہماری طرف آجائیں۔اگر جھٹکا نہیں دیا جائے گا تو وہ تو نظامِ خداوندی کی طرف نہیں جائیں گے۔عزیزانِ من! قرآن کتنی بڑی عظیم چیز کہہ گیا ہے کہ غلط نظام قائم کرتے ہیں اور جب مکافاتِ عمل کی رو سے تباہیاں آتی ہیں تو ہم یہ نہیں کرتے کہ پہلے ہی جھٹکے میں پوری کی پوری قوم

---

[1] ان کی خود پیدا کردہ ناہمواریوں کے بعض تباہ کن نتائج ان کے سامنے آ چکے ہیں (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔940)۔

کوتباہ ہی کردیا جائے۔ اگر یہ کردیا جائے تو

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغِ ناز کُشی

تو پھر تو کوئی بھی باقی نہ رہا، جس کو تُو قتل کرے۔

مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کُشی

بجز اس کے کہ ان کو پھر زندہ کرے، پھر ان کو قتل کرے۔ وہ بہت بڑا کشادہ قلب ہے، وہ تنگ نظر نہیں ہے حالانکہ اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ (85:12) ہماری گرفت بڑی محکم ہوتی ہے لیکن گرفت کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ جیسے ایک تنگ نظر انتقامی انسان کرتا ہے کہ ہڈیاں تک توڑ کر رکھ دے۔

می　نہ　سزد　خدائے　را

ان سبق آموز جھٹکوں کے باوجود سبق حاصل نہ کرنے والوں کا انجام:

کہتا ہے کہ ہم تھوڑا سا جھٹکا دیتے ہیں تو اُن کی خود پیدا کردہ ناہمواریوں کے تباہ کن نتائج ان کے سامنے آتے ہیں۔ اگر یہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ (30:41) یہی نتائج اس امر کے لیے کافی محرک ہو سکتے ہیں تاکہ یہ واپس آجائیں یعنی یہ اپنے خودساختہ نظامِ زندگی سے منہ موڑ کر نظامِ خداوندی کی طرف رجوع کریں۔ عزیزانِ من! سزا دینے والا بھی اتنا منصف ہو۔ کہا کہ جو اس جھٹکے کے بعد بھی واپس نہیں آتے تو ان کا حشر ہم سے نہ پوچھو، یہ انہی سے جا کر پوچھو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلُ (30:42) جاؤ اقوامِ سابقہ کی اجڑی ہوئی بستیوں کے جو کھنڈرات ہیں، ان کے پتھروں کے نقوش کو پڑھو، ان کی داستانیں ان کے اوپر تمہیں لکھی ہوئی ملیں گی کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ ظَهَرَ الۡفَسَادُ جو ہوا تھا اور اُس کے بعد یہ پہلے جھٹکے کے بعد بھی باز نہیں آئے تھے تو کہا کہ ہم سے نہ پوچھو بلکہ ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات سے پوچھو۔ كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّشۡرِكِيۡنَ (30:42) ان کا جرم یہ تھا کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے تابع چلتے تھے۔

دینِ خداوندی کا سہارا بننے والے کو پھر کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں رہی

عزیزانِ من! 30ویں آیت سے یہ بات شروع ہوئی تھی کہ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا (30:30) ہر طرف سے منہ موڑ کر اسی نصب العین کو سامنے رکھ کر اس کے نظام کی طرف بڑھتے چلے جاؤ۔ یہ ہے الدین۔ یہ سارا کچھ کہنے کے بعد پھر یہ کہا کہ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ (30:43) [1] وہ دین جو بغیر کسی سہارے کے خود اپنے اعتدال و توازن پہ قائم کھڑا ہے، جو بھی اس کا سہارا بنے گا اُس میں بھی یہ صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ بھی کسی غیر کے سہارے کے بغیر اپنے پاؤں پہ آپ کھڑا ہو جائے۔ یہ دینِ قیم ہے۔

---

[1] بہرحال، یہ لوگ جو رَوش بھی اختیار کرتے ہیں، انہیں کرنے دو۔ تم اپنی تمام مساعی کو خدا کے محکم نظام کے قیام کے لیے وقف کردو (30:30) (پرویزؒ: مفہوم القرآن، ص۔940)۔

اس دینِ قیم کی طرف لوٹ آ ؤ۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ❶ (30:43) قبل اس کے کہ وہ آخری تباہی کا وقت آ جائے' جب وہ آ تا ہے تو پھر لوٹ کر نہیں جایا کرتا۔ تو اب یَرۡجِعُوۡنَ کی بات سمجھ میں آ ئی کہ وہ پہلے جھٹکے اس لیے دیتا ہے کہ اس سے بھی کچھ ان کو تنبیہہ ہو جائے' بات سمجھ میں آ جائے کہ غلط نظام کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں ہے اور اس کے باوجود تم اپنے اُسی نظام کے اوپر اور اپنی ان غلط کوشیوں کے اوپر ہو تو پھر جاؤ اقوامِ سابقہ کے انجام کو دیکھو قبل اس کے کہ وہ آخری تباہی کا دن آ جائے جو آ تا ہے تو پلٹ کر نہیں جاتا۔

قوموں کی آخری تباہی کے نشانات کی شکل وصورت

اب سوال یہ ہے کہ وہ آخری تباہی کیسے آ یا کرتی ہے؟ یہی نہیں ہے کہ تم سوئے ہوئے تھے' صبح اٹھے تو سارے مر گئے ہوئے تھے۔ کہا کہ آخری تباہی اس طرح سے آ یا کرتی ہے کہ یَوۡمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوۡنَ ❷ (30:43) یہ جو تم آ پس میں پارٹیاں بنا لیتے ہو تو ایک پارٹی دوسرے کے مقابلے میں کھڑی ہو جایا کرتی ہے اور قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہو جاتا ہے تو پھر وہاں کھڑے ہو کر یہ نہ کہہ دینا کہ اللہ نے کیا کر دیا۔ قرآن میں ہے کہ جب مصیبت آ تی ہے تو کہتے ہیں کہ خدا نے مجھے خوامخواہ کے لیے ذلیل کر دیا۔ مَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ ❸ (30:44) جو صحیح نظامِ خداوندی سے سرکشی برتتا ہے تو اُس کی سرکشی کے تباہ کن نتائج اُسے بھگتنے پڑیں گے۔

نظامِ خداوندی کے عملی نتائج کی محسوس شکل اور علامات

وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِہِمۡ یَمۡہَدُوۡنَ (30:44) اور جو خدا کے پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کرتا ہے اسے زندگی کی آ سائشیں حاصل ہو جاتی ہیں' اُسے رزق بھی ملتا ہے اور سکون کے لیے پنگھوڑے بھی ملیں گے۔ ابھی ہم نے بچے کی بات کہی ہے' بچے کو رزق بھی ملتا ہے' دودھ بھی ملتا ہے' پھر اُس کو سکون کی ضرورت ہوتی ہے تو پنگھوڑا بھی دیا جاتا ہے جس کو ہلاتے ہو تو وہ سو جاتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ حقیقت ابھر کر سامنے آ جائے کہ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ (30:45) ایمان اور عمل صالح کا بدلہ خدا کے فضل و کرم سے کسی کو ملتا ہے اور کفر کی راہ انسان کو کسی دوسری طرف لے جاتی ہے' وہ راہ جو خدا کے ہاں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔

بات یہ ہوئی تھی کہ وہ جو آ نے والی گھڑی ہوتی ہے اُس سے پہلے اُس کے لیے علامات بھیج دیجاتی ہیں' Warnings (تنبیہات) ہوتی ہیں' تنذیر ہوتی ہے تا کہ وہ اس سے آ گاہ ہو جائے' خبر دار ہو جائے اور اپنی روش صحیح کر لے۔ کہا کہ اسی طرح سے یہ جو صحیح نظام ہوتا ہے وہ بھی پہلے دن ہی آ کر اپنے نتائج بر آ مد نہیں کر دیتا۔ پہلے اُس کی ابتدا ہوتی ہے لیکن شروع ہی

---

❶ قبل اس کے کہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے' ظہورِ نتائج (انقلاب) کی وہ گھڑی سامنے آ جائے جو کسی کے لوٹائے لوٹے گی نہیں (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔940)۔ ❷ یہ وہ وقت ہو گا جب یہ دونوں پارٹیاں نکھر کر الگ الگ ہو جائیں گی اور ایک دوسرے کے مدمقابل آ کھڑی ہوں گی (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔940)۔ ❸ جن لوگوں نے قوانین خداوندی سے انکار (کفر) کی راہ اختیار کی ہو گی اس کا وبال ان پر پڑے گا (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔940)۔

سے اُس کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات ❶ وہیں سے بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس کے بعد اس کے نتائج بڑے ہی خوشگوار ہوتے ہیں اس لیے کہا کہ وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ ❷ (30:46) بارش سے پہلے پروا ❸ کی ہوائیں آتی ہیں۔ ہمیں شہر والوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا' یہ جو کسان ہیں ان سے پوچھیے۔ وہ اُس ہوا سے فوراً اندازہ کر لیتے ہیں کہ دو تین دن کے اندر اندر بارش ہونے والی ہے اور وہ اُس پروگرام کے مطابق اپنی بوائی کے لیے انتظامات کرتے ہیں۔ اتنا محکم اصول ہوتا ہے کہ اسی طرح سے چلتا رہتا ہے اگرچہ اب تو کیفیت کچھ اور ہی ہوگئی ہے۔

موسموں کے تغیر وتبدل میں فرق

میں کہا کرتا ہوں کہ اس سے پہلے تو ہمارے شاعر رونا روتے تھے کہ آسمان کی جو گردش ہے' اُس کے ماتحت انسان کو چلنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کچھ کہتے تھے کہ انسان آسمان کی گردش کے تحت چلتے ہیں۔ اب آسمان انسانوں کی گردش کے تحت چلتے ہیں جیسے ہماری زندگی ہمارا معاشرہ Unpredictabl (ناقابلِ پیش گوئی) ہے کہ کوئی پتہ ہی نہیں چلتا کہ کدھر دیکھیں' کچھ معلوم ہی نہیں کہ کل کیا ہو جانا ہے۔ کوئی شخص ایک دن کے لیے Predict (پیش گوئی) نہیں کرسکتا' جھکڑ میں کوئی نہیں بتا سکتا کہ ہوا کدھر کی چل رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم ایسے نیچے ہوگئے ہیں' وہ آسمان ہمارے کچھ تابع ہی ہوگیا ہے کہ کوئی موسم وقت پہ آتا ہی نہیں ہے۔ مئی سے لے کر ستمبر تک جھلسا دینے والی گرمی ہے' حالانکہ اُس میں ہر آٹھ دس دن کے بعد ایک بارش ہو جایا کرتی تھی' پھر جولائی وغیرہ کے مہینے کے اندر برسات آیا کرتی تھی۔ اب سارا کچھ الٹ ہوگیا:

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کام کیا دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

اچھے نظام کے ابتدائی دور میں بھی راحت کا عنصر موجود ہوتا ہے

یہ جو نظامِ کائنات ہے' یہ غیر متغیر ہے۔ جب بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں آتی ہیں تو وَّلِیُذِیْقَکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ (30:46) اُس کے بعد پھر بارش آتی ہے۔ وہ بارش تمہارے لیے سامانِ زندگی کا موجب بنتی ہے۔ اس طرح جو ابتدا ہوتی ہے' وہ خوشگوار ہواؤں سے ہوتی ہے۔ اچھے نظام کا آغاز ہی ٹھنڈی ہواؤں سے ہوجاتا ہے' بارش اُس کے بعد آتی ہے خشکی میں یہ ہوتا ہے اور اُدھر وَلِتَجْرِیَ الْفُلْکُ بِاَمْرِہٖ (30:46) اور سمندروں میں یہی ہوائیں' قانون خداوندی کے مطابق کشتیوں کو چلاتی ہیں۔ اس طرح جب بارش آتی ہے یا اُس سے بھی پہلے کشتیاں اپنے اپنے ساحل کی طرف رواں دواں چل پڑتی ہیں۔ کیوں؟ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ (30:46) تا کہ تم تلاشِ معاش میں اِدھر اُدھر نکلو۔ اور اُس کے بعد پھر فضلِ خداوندی کی کشائش ہوتی چلی جاتی ہے' پوچھو نہیں کہ کتنا ملتا ہے! وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (30:46) اور اس طرح یہ سب ہم اس لیے کرتے ہیں تاکہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔ اس کے برعکس غلط نظام یہ ہے کہ محنتیں کی جاتی ہیں نتیجے نہیں نکلتے۔ وہ اس لیے کہ

---

❶ (مثل) ہونہار بچے کے آثار پہلے ہی اچھے نظر آتے ہیں۔ ❷ قانونِ خداوندی کے مطابق چلنے کے خوشگوار نتائج ایسے ہیں' جیسے خدا ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بارش کی خوشخبری دیتی ہیں (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔ 941)۔ ❸ پورب کی ہوا۔

دانہ ایں می کارد' آں حاصل برد

کھیتی یہ کرتا ہے فصل وہ لے جاتا ہے۔

شکر اور کفر کے معنی

عزیزانِ من! ''شکر'' یہ ہے کہ ہر ایک کی محنت بھرپور نتائج پیدا کرے۔ ''کفر'' یہ ہے کہ محنت اس کی ہو مگر اس کا ماحصل کوئی لے جا کر اپنے ہاں ڈھانپ دے۔ یہاں کہا کہ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (30:46) تا کہ تمہاری کوششیں بھرپور نتائج کی حامل ہوں۔ اس کے بعد پھر تاریخی شہادت آ گئی۔ وہاں پہلے کہا تھا کہ ان بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھو۔ درمیان میں کہا کہ نظامِ خداوندی یہ کچھ کیا کرتا ہے۔ اب کہا کہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا [1] (30:47) اس سے پہلے بھی ہمارے پیغامبر' یہی پیغام لے کر آئے جواب ہم دے رہے ہیں۔ غلط روش پر کاربند قوم کو انہوں نے آگاہ کیا' تنذیر دی' وارننگ دی لیکن وہ نہیں مانے' جھٹکے آئے مگر باز نہیں آئے' وہ آخر تک چلے گئے تو پھر تو بہرحال وہی جو آخری تباہی کا وقت تھا' وہ آ گیا' فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا (30:47)۔ فَانْتَقَمْنَا کے معنی عربی زبان میں انتقام نہیں بلکہ عرب اپنی زبان میں جرم کی سزا کو کہتے ہیں۔ یہاں اَجْرَمُوْا کا لفظ بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ جرم کا نتیجہ ہے۔

خدا تعالیٰ نے مومن کی مدد کرنا اپنا فرض قرار دیا ہے

سنکھیا پھانک لینے سے جو ہلاکت ہوتی ہے وہ سزا نہیں ہوتی بلکہ انسان کے اُن اقدام کا فطری نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے سزا کو بھی ''جزا'' کہا ہے اور جزا کے معنی ہی ''کسی چیز کا فطری نتیجہ'' ہوتا ہے۔ اَجْرَمُوْا کے بارے میں یاد رکھیے کہ بنیادی طور پہ عربوں کے ہاں کسی دوسرے کے درخت سے پھل کا خوشہ کاٹ کر اپنے ہاں لے جانا جرم کہلاتا ہے اور ''اجرموا'' اسی سے ہے۔ یہ کتنی جامع قوم تھی۔ اب اس کے برعکس جو دوسرے لوگ تھے جو حق کا نظام لے کر اٹھے' ابھی ان کی ابتدا تو مُبَشِّرٰتٍ کی ہواؤں جیسی ہی تھی' ساز و سامان بھی اتنا زیادہ نہیں تھا' تعداد کی بھی کثرت نہیں تھی' حتیٰ کہ ان کے پاس تو ابھی سر چھپانے کو جگہ بھی نہیں تھی لیکن جب بھی کوئی جماعت حق کا نظام لے کر اٹھتی ہے تو قرآن کہتا ہے کہ وہ غالب آ کر رہتی ہے۔ اور یہاں آگے ایک فقرہ ہے جس میں کہا ہے کہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (30:47) مومن ہو تو ان کی مدد کر کے اسے کامیاب بنانا ہم پر حق ہے' واجب ہے۔ خدا کہتا ہے کہ ہم پر واجب ہے' کتنی بڑی چیز ہے جو کہہ رہا ہے!۔ ہمارے ہاں وہ حقوق العباد اور حقوق اللہ کی بحثیں چلتی ہیں۔ ارے حقوق تو سارے ہی عباد کے' بندوں کے' ہوتے ہیں۔ یہاں کہا کہ جی نماز پڑھنا خدا کا حق ہے۔ عزیزانِ من! سارے حقوق انسانوں کے ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ ان حقوق کا جو ادا کرنا ہے وہ خدا کے احکام کی تعمیل ہے۔ بندوں کا حق خدا پر نہیں۔ خدا تو کہتا ہے کہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا (30:47) ہم پر تمہارا حق ہے۔ دنیا کی

---

[1] اسی قسم کے واضح قوانین ہم' تم سے پہلے' اپنے رسولوں کی معرفت بھیجتے رہے ہیں۔ وہ ان قوانین کو اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے (لیکن وہ ان سے سرکشی برتتی اور آخر الامر) انہیں ان کے جرائم کی وجہ سے پکڑ لیا جاتا (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص۔ 941)۔

کسی مذہبی کتاب میں مجھے یہ چیز نہیں ملی۔تم مومن ہوجاؤتو پھر یہ ہماری ذمہ داری ہوجاتی ہےاورتمہارا ہم پرحق ہوجاتا ہے کہ ہم تمہیں غالب کریں۔ ہمارے ہاں پچیس سال سے' بلکہ ہزار سال سے دعائیں مانگی جارہی ہیں کہ یااللہ! اسرائیل کوتباہ وبرباد کردے۔عزیزانِ من! سیدھی سی بات ہے یاتو یہ کہنا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) وہ وعدہ خلاف ہے یا ہم مومن نہیں ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ذات بھی اگر اپنا وعدہ (معاذ اللہ) پورا نہ کرے تو اس سے بھی پوچھا جاسکتا ہے

یہ جو وعدے کی بات ہےتوقرآن کی رو سےاس کی بڑی ہی اہمیت ہے۔یعنی انسانوں کے متعلق تو یہ تھا کہ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (17:5) وعدہ تم دوسرے انسانوں سے ہی نہیں کرتے وہ تو تمہارا اوران کا معاملہ ہے' وعدے کے متعلق ہم بھی تم سے پوچھیں گے کہ تم نے پورا کیا تھا یا نہیں۔اور یہ کہنے سے پہلے ایک اور چیز ہے کہ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا (33:15) جو ہم وعدہ کرتے ہیں اگر خدا نکردہ وہ پورا نہ ہو تو تم ہم سے پوچھ سکتے ہو کہ کیوں پورا نہیں کیا۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (30:47) اسی کو خدا کا قانون' خدا کا وعدہ کہا جاتا ہے۔اُس نے کہا ہے کہ یہ ''ہمارا وعدہ ہے کہ مومنین کو غالب کرکے رہیں گے' یہ ان کا حق ہے''۔پھر یہ کیوں نہیں ہوتا؟ میں نے کہا ہے کہ یا تو (معاذ اللہ) یہ کہنا پڑے گا کہ یہ جو اُس نے کہا ہے' یہ غلط کہا ہے' وعدہ کیا ہے اور وعدہ خلافی کررہا ہے۔حق ادا نہیں کررہا (معاذ اللہ)۔

خدا سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کی بجائے دعائیں مانگتے رہتے ہیں

اگلی شرط تھی کہ نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (30:47) مومنین کے ساتھ ہم یہ کرتے ہیں۔تو بات صاف ہوگئی کہ ہم مومن نہیں ہیں اس لیے یہ نہیں ہورہا۔اُس نے تو مومنین کے لیے شرط لگادی۔ بجائے اس کے ہم یہ کوشش کریں کہ اس کے مطابق ہم مومن بن جائیں تاکہ خدا کا وہ جو حق ہے وہ پورا ہو اور ہماری مدد ہو' یہ ہم نہیں کرتے بلکہ بار بار اکٹھے ہوکر دعائیں کیے جاتے ہیں کہ یااللہ! اسرائیل کا بیڑہ غرق کردے۔تیس سال سے عرفات کے میدان میں جمع ہوکر بھی یہ ہورہا ہے۔جس طرح خانہ بدوشوں کے لڑکے ہوتے ہیں کہ ''دے جا بابا اللہ دے واسطے''۔یعنی تیس سال سے ان کی یہ صورت ہے اور وہاں سے پھر بھی مار پڑرہی ہے۔ایک دن بھی کھڑے ہوکر اگر انہوں نے سوچ لیا ہوتا کہ وہ نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ہتا ہے۔اگر نصرت اس کی نہیں آتی اور اُس کے لیے تو مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہے وہ تو حَقًّا عَلَيْنَا (30:47) کہہ رہا ہے' یہ نہیں کہتا کہ تم مانگو گے اور ہم بھیک کی طرح دیں گے۔وہ کہتا ہے کہ یہ تو ہمارا فریضہ ہے۔اور اگر اس طرح سے نہیں ملتا تو پھر یہ ہے کہ ہم مومن نہیں ہیں۔ ایک دن وہاں کھڑے ہوکر یہ سوچ لیتے کہ کس لیے نصرت نہیں مل رہی تو دعائیں مانگنے کی بجائے مومن بننے کی طرف آجاتے تو ہزار بار اُس کی نصرت ملتی۔اس لیے کہ وہ وعدہ خلافی کبھی نہیں کیا کرتا۔

عزیزانِ من! ہم سورۃ الروم کی آیت 47 تک آگئے۔ 48 سے آئندہ لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف

تحریکِ طلوعِ اسلام نہ تو سیاسی پارٹی ہے اور نہ مذہبی فرقہ۔ یہ اجتماعی کوشش کا ایک ذریعہ ہے اُس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جسے طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام میں جو غیر قرآنی تصورات شامل ہو گئے ہیں انہیں الگ کر کے پھر سے اُس نظام کی تشکیل کے لئے فضا سازگار بنائی جائے جو عہد مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ (48:29) میں قائم ہوا تھا اور جسے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت ﷺ کہا جاتا ہے۔

ہم جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ قرآنِ کریم کی تعلیمات کو سمجھنے کی انسانی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس میں سہو بھی ہو سکتا ہے خطا بھی۔ جو شخص ہمیں ہماری کسی غلطی پر متنبہ کرتا ہے ہم اُس کے شکر گزار ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنی بات کی تائید میں ''قرآنِ کریم'' کی سند رکھتا ہو۔

آئندہ صفحات میں اس تحریک کے مقاصد کو مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے تاکہ جو لوگ دیانت داری سے تحقیق کرنا چاہیں ان پر حقیقت واضح ہو سکے۔

ادارہ طلوعِ اسلام
25۔ بی گلبرگ 2، لاہور
+92 4235714546

طلوعِ اسلام کے مقاصد

قرآنِ حکیم کی روشنی میں!

(1) قرآنِ حکیم:

۞ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ (2:120)

۞ ان سے کہہ دو کہ راستہ وہی صحیح ہوسکتا ہے جس کی طرف خدا کی وحی راہنمائی کرے۔

۞ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ (24:40)

جس شخص کو وحیِ خداوندی کی روشنی نصیب نہ ہو اُسے روشنی کہاں سے مل سکتی ہے۔

۞ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا (4:174)

اے نوعِ انسان! تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے واضح دلائل آ گئے۔ یعنی اُس نے تمہاری طرف ایک ضابطۂ حیات بھیج دیا ہے جو خود روشن ہے اور ہر چیز کو روشن کرتا ہے۔

طلوعِ اسلام:

تنہا عقلِ انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کرسکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اُسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو دیکھنے کے لئے سورج کی روشنی کی ضرورت۔

(2) قرآنِ حکیم:

۞ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ (6:115)

خدا کا ضابطۂ قوانین تمام صداقتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے اور عدل و توازن کے تقاضوں کو پُورا کرتے ہوئے مکمل ہو چکا ہے۔ اب اِن قوانینِ خداوندی میں کوئی تغیر و تبدّل کرنے والا نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ اس خدا کا ضابطۂ قوانین ہے جو سب کچھ سُنتا ہے اور ہر بات کا علم رکھتا ہے۔

۞ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (15:9)

اِس قرآنِ حکیم کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

۞ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ ۔۔۔(5:3)

ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اوراس طرح تم پر ہماری نعمتیں پُوری ہوگئیں۔

۞ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (33:40)

محمد ﷺ تم میں کسی مرد کے باپ نہیں اور نہ ہی یہ رسُول اپنے خودساختہ احکام وضع کرتا ہے۔ وہ خدا کے احکام تم تک پہنچاتا ہے۔ یہ احکام مکمل ہیں اوران میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔لہٰذا اس رسول ﷺ کے بعد نبوّت ختم ہوگئی۔

طلوعِ اسلام:

خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے ابد تک ضابطۂ ہدایت ہے لہٰذا اب خدا کی طرف سے نہ کسی کو وحی مل سکتی ہے اور نہ کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے۔قرآنِ کریم خدا کی آخری کتاب ہے اور حضور رسالت مآب ﷺ خدا کے آخری نبی ﷺ اور رسول ﷺ ہیں۔ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر قسم کے مدعیٔ وحی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

(3) قرآنِ حکیم:

۞ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ (68:4)

یقیناً اے رسولؐ! تو سیرت وکردار کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہے۔

۞ لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ...(33:21)

تمہارے لئے رسولؐ اللہ کا طرزِ عمل اور استقامت پیروی کا عمدہ نمونہ ہے۔

۞ قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ...(3:31)

ان سے کہہ دو۔اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو پھر میرا اتباع کرو۔

۞ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ (7:203)

ان سے کہو۔میرا اتباع اس وحی کا اتباع ہے جو مجھے میرے نشوونما دینے والے کی طرف سے ملتی ہے۔

طلوعِ اسلام:

نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ،شرف وعظمتِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ ہے۔یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا جو حصہ قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہے اُس کے قطعی اوریقینی ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔باقی وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے۔سو اِس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہو یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہو۔تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔اُسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔یہی اُصول صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتِ مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے

رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے، ہم ہر اُس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآنِ کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

(4) قرآنِ حکیم:

۞ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ (90:10-13)

ہم نے انسان کو وحی کے ذریعے صحیح اور غلط راستے اُبھار اور نکھار کر بتا دیئے ہیں۔ ان راستوں میں سے ایک راستہ مفاد پرستی کا ہے۔ یعنی جس طریق سے بھی ہو سکے، تن آسانی اور عیش پرستی کی زندگی بسر کرنا۔ یہ راستہ بڑا ہی آسان ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا راستہ بڑا محنت طلب اور صبر آزما ہے۔ یوں سمجھو گویا پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنا ہے جس میں قدم قدم پر انسان کی سانس پھول جاتی ہے۔ یہ پہاڑ کی گھاٹی کا سارا راستہ کیا ہے؟ اِسے تمہیں خدا سے بہتر کون سمجھا سکتا ہے۔ سنو!

یہ راستہ ہے کہ انسان صرف اپنی فکر ہی نہ کرے، بلکہ جہاں دیکھے کہ کوئی انسانی گردن کسی دوسرے کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے تو اُسے اس سے آزاد کرائے۔ یعنی ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم، مطیع اور زیردست نہ رہے۔ ہر ایک 'گردن اُٹھا کر چلے' ہر ایک کو جسمانی' ذہنی اور قلبی آزادی حاصل ہو اور اس پر خدا کے قوانین کے سوا کسی کی پابندی نہ ہو۔

۞ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ (7:157)

اس رسول ﷺ کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ یہ مذہبی پیشواؤں کی جن خود ساختہ شریعتوں اور مستبد حکمرانوں کے ظلم پر مبنی قوانین کے جس بوجھ کے نیچے انسانیت دبی چلی آ رہی تھی یہ اس بوجھ کو اس کے سر سے اُتارتا ہے اور تقلید و اَوہام کی جن زنجیروں میں انسانی قلب و دماغ جکڑا ہوا تھا، اِن زنجیروں کو توڑتا ہے اور انسان کو صحیح آزادی عطا کرتا ہے کہ وہ حدود اللہ کا پاس رکھتے ہوئے اپنی سعی و کاوش سے جن بلندیوں تک جانا چاہے چلا جائے۔ اس کے راستے میں کوئی روک نہ ہو۔

۞ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ (42:13)

اور تم پر لازم ہے کہ تم خدا کے تجویز کردہ نظام کو عملاً نافذ کرو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

طلوعِ اسلام:

دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر اُن سے خالص قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظامِ مملکت کی رُو سے ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر دین (جو نظامِ زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہو سکتا۔

(5) قرآنِ حکیم:

۞ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ... (24:55)

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو اُس کے قوانین کی صداقت پر ایمان رکھیں اور اُس کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کریں، یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اُنہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا اور اُن کے اُس نظامِ زندگی کو مستحکم کر دے گا جسے اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے۔ یہ خدا کا ابدی قانون ہے جس کے مطابق اقوامِ سابقہ کو بھی اس قسم کا تمکن فی الارض عطا ہوا تھا۔

۞ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ (39:74)

وہ اپنے اعمال کے درخشندہ نتائج دیکھ کر پکار اُٹھیں گے کہ فی الحقیقت درخورِ ہزار حمد وستائش ہے خدا کا قانونِ مکافات جس کے مطابق خدا کے تمام وعدے پورے ہوئے۔ ہمیں مملکت اور حکومت عطا کی گئی جس نے اس خطۂ ارض کو جنت میں تبدیل کر دیا اور ہمیں ایسی آزادی مل گئی کہ ہم اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں۔

۞ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (48:28)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ ضابطۂ ہدایت یعنی حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا ہی اِس لئے ہے کہ یہ دنیا کے تمام خود ساختہ نظام ہائے زندگی پر غالب آ کر رہے اور خدا اس بات کی نگرانی کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسا ہو کر رہے!

۞ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (3:159)

اے رسول ﷺ! تجھ پر اللہ کی رحمت ہے۔ تیری صلاحیتیں بھرپور نشوونما پا چکی ہیں جس کی بنا پر تو مستبد اور سخت گیر نہیں بلکہ اپنے اندر نرمی اور لچک رکھتا ہے۔ اگر تم سخت مزاج اور سنگ دل ہوتے اور انسانی کمزوریوں کے لئے تمہارے دل میں گوشۂ نرم نہ ہوتا تو تمہاری جماعت کے افراد تم سے الگ ہو کر منتشر ہو چکے ہوتے اس لئے جس حد تک قانونِ خداوندی اجازت دے تم اُن کی نادانستہ کوتاہیوں سے درگذر کرو اور اُن کے لئے سپر بن جاؤ۔ ان کی حفاظت کا سامان طلب کرو اور معاملات میں اُن سے مشورہ کرو۔

طلوعِ اسلام:

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآنِ کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن اُمور میں قرآنِ کریم نے صرف اصول دیئے ہیں اُن کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اُمورِ مملکت اُمت کے مشورے سے سرانجام پاتے تھے۔

(6) قرآنِ حکیم:

۞ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (35:32)

حضور ﷺ کے بعد قرآن کی وارث آپ ﷺ کی اُمت منتخب ہوئی۔ لیکن اس اُمت کی یہ حالت ہوگی کہ ان میں سے کچھ تو عمل کرنے میں آگے بڑھ جائیں گے، کچھ میانہ روی اختیار کریں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اِسے چھوڑ کر اپنے آپ پر ظلم کریں گے۔ جو آگے بڑھ جائیں گے وہ بلند مدارج کے مستحق ہوں گے۔

۞ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (48:29)

محمد رسول اللہ ﷺ اور اُس کے رفقاء کار بھی عجیب جماعت ہیں۔ اُن کی کیفیت یہ ہے کہ یہ حق کے مخالفین کے مقابلے میں چٹان کی طرح سخت ہیں لیکن باہمدگر بڑے ہی نرم دِل اور ہمدرد۔

۞ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ (42:38)

اوران کے تمام اُمور کے فیصلے، قوانینِ خداوندی کی حدود میں رہتے ہوئے باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔

طلوعِ اسلام:

رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے جاری رکھا۔ اس میں اُمورِ مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو حضور ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآنِ کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن اُمور میں قرآنِ کریم نے صرف اُصول دیئے ہیں ان کی چاردیواری کے اندر اُمت کے مشورہ سے متعلقہ اُمور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاجِ رسالت ﷺ کہا جاتا ہے۔

(7) قرآنِ حکیم:

۞ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ (19:59)

اِن کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے کہ اُنہوں نے نظامِ صلوٰۃ کو ضائع کر دیا۔ یعنی قوانینِ خداوندی کے اتباع کے بجائے اپنے اپنے مفاد اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔

۞ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ (7:169)

لیکن اس کے بعد جو نسلیں ان کی جانشین ہو کر ہمارے ضابطۂ قوانین کی وارث بنیں، اُن کی یہ حالت تھی کہ وہ پیش پا افتادہ دنیاوی مفاد پر جھپٹ پڑتے اور کہتے کہ اس کی ہمیں معافی مل جائے گی۔

۞ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (30:41)

جب لوگوں نے غیر خدائی نظریات وتصورات کو قانونِ خداوندی کا ہمسر بنادیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی زندگی کے ہر گوشے میں ناہمواریاں پیدا ہوگئیں اور ہر طرف فساد برپا ہوگیا۔

طلوعِ اسلام:

بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت ﷺ کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے اُمت میں اِنتشار پیدا ہوگیا۔ خلافت کے زمانہ میں تمام اُمورِ دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن اب مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہوگئی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

(8) قرآنِ حکیم:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44)

۞ یاد رکھو! جو شخص اس قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتا جسے خدا نے نازل کیا ہے وہ کافر ہے خواہ وہ زبان سے اس قانون پر ایمان رکھنے کا مدعی کیوں نہ ہو۔ کافر و مومن ہونے کی تمیز ہی اس سے ہوتی ہے۔

۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

(4:59)

اے جماعتِ مومنین! یہ بھی ضروری ہے کہ تم اس نظام کی پوری پوری اطاعت کرو جسے قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے رسول ﷺ نے قائم کیا ہے اور نظام کے مرکز کے مقرر کردہ نمائندگانِ حکومت کی بھی اطاعت کرو۔

۞ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ (30:30)

صحیح روشِ زندگی یہ ہے کہ تُو ان تمام غلط راہوں سے منہ موڑ کر اپنی تمام توجہات کو خدا کے تجویز کردہ نظامِ زندگی پر مرکوز کردے۔

طلوعِ اسلام:

ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو اُمت کو احکام وقوانینِ قرآنی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکزِ ملت کہا جائے (جیسے سینیٹ یا پارلیمنٹ) اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانینِ خداوندی کے تابع ہوگی۔

(9) قرآنِ حکیم:

۞ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (4:126)

خدا کا قانون زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔

۞ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (2:208)

اے جماعت مومنین! نظامِ خداوندی میں اجتماعی طور پر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

۞ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (5:45)

یاد رکھو! جو لوگ ضابطۂ خداوندی کے مطابق حکومت نہ کریں، وہ ظالم ہیں۔

طلوعِ اسلام:

چونکہ دین کا نظام خلافت علیٰ منہاجِ رسالت ﷺ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہو گا اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہو گا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی اُمور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہمد گر مُدغم ہو جائیں گے۔

(10) قرآنِ حکیم:

۞ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ (2:256)

خدا کے نظام میں کوئی زبردستی نہیں۔ اسے انسانوں کو اپنے دل کی رضامندی سے قائم اور اختیار کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے صحیح اور غلط راستے واضح کر دیے ہیں۔

۞ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ... (3:79)

کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطۂ قوانین، حکومت اور نبوّت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔

۞ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ (2:213)

جو لوگ قوانینِ خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں، خدا انہیں اپنے قوانین کے مطابق اختلافات سے بچنے کی راہ دکھا دیتا ہے۔

طلوعِ اسلام:

جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہو جاتا، اُمت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز، روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل

کررہے ہیں، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں ردوبدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کرکے اُسے خدا اور رسول ﷺ کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت ﷺ) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اُمت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

(11) قرآنِ کریم:

۞ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (17:70)

ہم نے تمام فرزندانِ آدم کو واجب التکریم بنایا ہے۔

۞ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ (7:176)

ہم انسان کو اپنے ضابطۂ قوانین کے ذریعے آسمان کی بلندیوں تک لے جاتے ہیں۔ لیکن اُس نے ہمارے قوانین کی بجائے اپنے جذبات ہی کی پیروی شروع کردی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آسمان کی بلندیوں کی بجائے زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک گیا۔

۞ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۵۱ (2:151)

اوراسی طرح ہم نے تم ہی میں سے اس رسولؐ کو تمہاری طرف بھیجا۔ یہ تمہیں بتاتا ہے کہ قانونِ خداوندی کیا ہے اور اس کی غرض وغایت کیا۔ یعنی وہ کچھ بتاتا ہے جس سے تم پہلے قطعاً ناواقف تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ ایسا عملی نظام قائم کرتا ہے جس میں تمہاری ذات کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جائے۔

۞ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ (17:31)

رزق کی ذمہ داری نظامِ خداوندی پر ہے۔ اس نظام کا فرض ہے کہ یہ ہر فرد کو اس کی ضروریاتِ زندگی کی ضمانت دے اور اس طرح انسان کو معاش کی طرف سے مطمئن کرکے اسے بلند مقاصدِ انسانیت کے لئے فارغ کردے۔

طلوعِ اسلام:

قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی، روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

(12) قرآنِ حکیم:

۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ (39:3)

اس امر کا عام اعلان کرو کہ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہونی چاہیئے۔

۞ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ (3:19)

اللہ کے ہاں دین (نظامِ زندگی) صرف اسلام ہے اور یہ تمام عالمِ انسانیت کے لئے تجویز ہوا ہے۔

۞ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (3:85)

پس جو فرد یا قوم اس نظام کے علاوہ زندگی کے لئے کوئی اور نظام اختیار کرنا چاہے تو میزانِ خداوندی میں اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اس سے اس قوم کو مفادِ عاجلہ تو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن مستقبل میں وہ سخت نقصان میں رہے گی۔

طلوعِ اسلام:

قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے۔ اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہوسکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کرسکتا ہے خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

قرآنِ حکیم:

۞ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (7:52)

ہم نے انہیں ایک ایسا ضابطۂ حیات دیا ہے جو ہر بات کو علم وحقیقت کی بنیادوں پر کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے اور اُن لوگوں کے لئے جو ان کی صداقت پر ایمان رکھیں، سامانِ ہدایت ورحمت اپنے اندر رکھتا ہے۔

۞ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ (3:190)

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ عقل وبصیرت سے کام لیتے ہیں اُن کے لئے کائنات کی پیدائش اور گردشِ لیل ونہار میں قوانینِ خداوندی کی محکمیت اور ہمہ گیری کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

۞ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (45:13)

کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اس نے سب کو تمہارے لئے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ اس میں غور وفکر کرنے کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی جو لوگ ان قوانین کا علم حاصل کرلیں گے جن کے مطابق یہ کارگہ کائنات

سرگرمِ عمل ہے وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے اُنہیں اپنے کام میں لا سکیں گے۔

طلوعِ اسلام:

قرآن کا ہر دعوےٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو۔ چونکہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسانوں کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے‘ اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

(14) قرآنِ حکیم:

۞وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾ (39:31-32)

لہٰذا تم بڑی احتیاط برتنا کہ اس طرح توحید کے پیرو بن کر پھر سے مشرک نہ بن جاؤ۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح اُمتِ واحدہ رہنے کی بجائے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ جس طریق پر ہم چل رہے ہیں وہی حق و صداقت کی راہ ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ میں مگن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

۞إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ (6:160)

دین ایک راستے پر چلنے کا نام ہے‘ مختلف راستوں پر چلنے کا نہیں۔ جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ کر لیں اور الگ الگ ہو جائیں۔ اے رسولؐ! تیرا اُن سے کوئی واسطہ نہیں۔

۞وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ (3:103)

خدا کے عذاب کی ایک شکل پارٹی بازی ہے۔ لوگ مخلوط پارٹیوں میں بٹ جاتے ہیں اور یوں ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

طلوعِ اسلام:

طلوعِ اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقۂ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں) نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ اُمت کے مختلف فرقے جس طریق سے

نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں، ہم اُن میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآنِ کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاجِ رسالت ﷺ) کا قیام عمل میں آسکے۔

❁❁❁

یہ ہیں ہمارے مقاصد جنہیں ہم برسوں سے دُہراتے چلے آرہے ہیں۔ اس کے خلاف جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ مخالفین کا گمراہ کُن پروپیگنڈہ ہے۔

جو حضرات طلوعِ اسلام کے اس مقصد سے متفق ہیں وہ مقامی طور پر اس فکر کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کی اس ''تنظیمی کوشش'' کا نام ہے۔۔۔۔

بزمِ طلوعِ اسلام

جو لوگ اِس بزم کے رُکن بنتے ہیں، اُن سے نہ کوئی عقیدہ منوایا جاتا ہے، نہ احکامِ خداوندی کے علاوہ کسی اور کی اطاعت طلب کی جاتی ہے۔ نہ وہ الگ پارٹی بناسکتے ہیں نہ عملی سیاست میں حصہ لے سکتے ہیں۔ نہ وہ کسی کو اپنا پیرومرشد سمجھتے ہیں نہ امیر ومطاع!

یہ اُن متفق الخیال احباب کی تنظیم ہے

جو یک نگہی اور یک جہتی سے قرآنی فکر کی نشر واشاعت کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے سوا ان کا کوئی پروگرام نہیں ہوتا اور یہ جو کچھ کرتے ہیں، اس میں نہ کوئی راز ہوتا ہے نہ پردہ، اور نہ ہی کسی قسم کی جلبِ منفعت!

المختصر

مسلمانوں کے قلب ودماغ سے ہر قسم کے غیر قرآنی تصورات، نظریات اور معتقدات نکال کر اُن کی جگہ خالص قرآنی نظریات پیش کرنا اور دلائل وبراہین کی رُو سے پیش کرنا طلوعِ اسلام کا مطلوب ومقصود ہے۔

اس میں وہ قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو سب سے پہلے اپنے سامنے رکھتا ہے تاکہ وہ مغربی سیکولرازم اور اشتراکیت کے سیلاب سے بچ کر پاکستان میں صحیح قرآنی معاشرہ قائم کرنے کے قابل ہوسکیں۔

خواجہ ازہر عباس، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توبہ کا قرآنی مفہوم

(ایصالِ ثواب اور ایصالِ عذاب)

توبہ سے متعلق اصل مضمون شروع کرنے سے پیشتر ایک ضروری بات تحریر کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ جو اہم بھی ہے اور اس مضمون کا ملخص بھی۔ توبہ کوئی دعا پڑھ لینا یا کچھ الفاظ دہرانے کا نام نہیں ہے۔ توبہ ایک عملی اقدام ہے جس سے غلط کام کا نتیجہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت آگے آتی ہے۔

ہمارے ہاں بہت سے الفاظ اور بہت سے نظریات ایسے مروج ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں ہے اور جو بالکل بے معنی ہیں۔ لاہور میں حضرت داتا صاحب کے مزار پر پندرہ پندرہ، بیس بیس لوگوں پر مشتمل ٹولیاں دستیاب ہوتی ہیں۔ آپ ان سے کہیں کہ مجھے مثلاً اپنے والد کو ایصالِ ثواب کرانا ہے۔ تو اس گروپ کا سربراہ آپ سے کچھ رقم لے گا اور چند پارے یا کچھ دعائیں تلاوت کر کے آپ کے والد کو ایصالِ ثواب کر دے گا۔ اس کے برخلاف ہمیں R.SS کے بانی سا ورکر سے نفرت ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کا دشمن تھا ہم چاہتے ہیں کہ اُسے ایصالِ عذاب کرائیں۔ لیکن یہ ٹولی ایصالِ عذاب نہیں کراتی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایصالِ ثواب تو ہو سکتا ہے لیکن ایصالِ عذاب نہیں ہو سکتا۔

ایک شخص غصہ میں یا مذاق میں اپنی بیوی کو زبان سے طلاق کا لفظ کہہ دیتا ہے تو علماء اس کو طلاق دینا گردانتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر طلاق کا لفظ تین مرتبہ دہرا دیں تو اس کو طلاق بائنہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ طلاق صرف زبان سے الفاظ ادا کر دینے سے ہو جاتی ہے، اس میں کوئی بھی Process نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی قانون کو سو مرتبہ یہ کہہ دے کہ میرا تیرا نکاح ہو گیا ہے تو وہ نکاح شمار نہیں ہوتا۔ اس کے لئے باقاعدہ عملی اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہت عرصہ ہوا ایک فلم آئی تھی۔ جس میں حقیقی زندگی کے ایک جوڑے نے کام کیا تھا۔ شوہر اور زوجہ دونوں مشہور ہیں ہم ان کا نام تحریر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس فلم میں بھی وہ شوہر اور زوجہ بنے تھے فلمی کہانی کے مطابق شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی۔ ہمارے علماء نے کہا کہ اس فلمی طلاق سے اُنہیں اصلی زندگی میں بھی طلاق ہو گئی اس لئے اُنہیں تجدید نکاح کرانی چاہئے۔

اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اللہ سے جڑے رہو۔ اللہ سے چمٹے رہو۔ اس طرح کے الفاظ ہمارا مذہبی طبقہ دہراتا رہتا ہے جو الفاظ بالکل بے معنی اور بے مطلب ہوتے ہیں۔ لوگ عموماً اس کا مطلب یہ لے لیتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پرستش کرو۔

نوافل کثرت سے پڑھو، تہجد پڑھو، ہمارے علماء اللہ سے جُڑے رہنے کا طریقہ پرستش کو قرار دیتے ہیں اللہ کی اطاعت کرنا ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتا۔ بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمان اطاعت اور پرستش میں فرق نہیں کرتے۔ اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی پرستش ہو رہی ہے۔ ایک گز زمین پر بھی بطور نظامِ قرآنی اللہ کی اطاعت نہیں ہو رہی۔ ہمارے ہاں پاکستان میں بھی اللہ کی پرستش ہوتی ہے۔

مولانا وحید الدین خاں صاحب، ہندوستان کے صفِ اوّل کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمارے دل میں ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کا احترام ہے۔ وہ اقامتِ دین کے قائل نہیں ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی ایک بڑی جامع اور بنیادی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' ہے۔ یہ کتاب دین کی داعی ہے۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب نے مودودی صاحب مرحوم کی اس کتاب پر تبصرہ وانتقاد تحریر فرمایا ہے جس کا نام ''تعبیر کی غلطی'' ہے۔ انہوں نے اس کتاب کے انتقاد کے سلسلہ میں جو تحریر کیا ہے اس میں سے دس مختصر ترین فقرے ہم جناب کے مطالعہ کے لئے پیش خدمت عالی کرتے ہیں۔

(1) تعلق باللہ سے مراد اللہ سے گہری وابستگی ہے۔ (صفحہ نمبر: 153)

(2) زندگی کا اصل مقصد خدا سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ اس سے لپٹ جانا ہے (صفحہ نمبر: 214)

(3) اسلام دراصل خدا سے تعلق جوڑتا ہے۔ (صفحہ نمبر: 277)

(4) دین کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان تعلق کا عنوان ہے (صفحہ نمبر: 140)

(5) حج خدا کی پرستش کے محور پر اہلِ ایمان کی ایک عالم گیر برادری بنانا ہے۔ (صفحہ نمبر: 138)

(6) اپنے رب سے قلبی اور روحانی تعلق پیدا کرنا (اصل دین ہے)۔ (صفحہ نمبر: 148)

(7) (مودودی صاحب کے لٹریچر میں) اسلامی کا روحانی پہلو دب گیا ہے۔ (صفحہ نمبر: 144)

(8) نماز قائم کریں۔ جس کی روح عجز اور اشتیاق کے ساتھ اپنے رب سے جڑ جانا ہے۔ (صفحہ نمبر: 271)

(9) مگر ان کے اندرون کو نہیں جگاتا۔ (صفحہ نمبر: 273)

(10) دین کی ایک آخری حقیقت ایک باطنی ادراک ہے۔ (صفحہ نمبر: 301)

حضرت مولانا کی یہ کتاب 344 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اسی قسم کے نظریات تحریر ہیں۔ کسی ایک بھی نظریہ کی تائید میں کوئی آیت درج نہیں ہے۔ یہ تمام نظریات قرآن کے خلاف، بالکل بے معنی ہیں۔ کوئی Concrete مفہوم ایک کا بھی سامنے نہیں آتا۔ ایک فقرہ بھی نہ قابل عمل ہے نہ کسی ایک فقرہ کا اس عملی دنیا سے کوئی تعلق۔ قرآن کریم ہر زمانہ کی انسانیت کے مسائل کو حل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہی اس کا وحی ہونے کا ثبوت ہے۔ لیکن ان نظریات کا قرآن کے اس دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نظریات صرف مولانا کے نہیں ہیں وہ ہندوستان کے مقبول ترین عالم ہیں اور ایک بڑی تعداد ان کو دنیا بھر میں Follow کرتی اور ان کو سراہتی ہے۔ یہ نظریات صرف مولانا کے نہیں ہیں، ہماری ساری پیشوائیت ساری طریقت، خود

مذہب اور سب مذہب زدہ لوگوں کے یہی نظریات ہیں۔ یہی وہ نظریات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اس حالت تک پہنچایا ہے۔ معاف بفرمائیے، مولانا کے سارے نظریات قرآن کے خلاف، بے معنی، ناقابلِ عمل ہیں۔ جب تک مسلمان ان نظریات کو ترک نہیں کریں گے، وہ ایں سوراندہ وآں سودرماندہ ہی رہیں گے۔

توبہ کے معنی اور اس کا مفہوم امام راغب نے مفردات میں تحریر کیا ہے ''اعتذار کی تین ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عذر کنندہ اپنے جرم کا سرے سے انکار کردے اور کہہ دے لَمْ اَفْعَلَهٗ، میں نے یہ کیا ہی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے لئے وجہِ جواز تلاش کرے اور بہانے تلاش کرنے لگے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اعتراف جرم کے ساتھ آئندہ نہ کرنے کا یقین دلائے۔ الغرض اعتذاز کی یہ تین ہی صورتیں ہیں اور کوئی چوتھی صورت نہیں ہے اور آخری صورت کو توبہ کہا جاتا ہے۔

اب آپ توبہ کا قرآنی مفہوم ملاحظہ فرمائیں:

آپ کو لاہور سے اسلام آباد جانا تھا۔ آپ غلطی سے ملتان جانے والی ٹرین میں سوار ہو گئے جو بالکل دوسری سمت کی طرف جارہی تھی کچھ دیر بعد آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو آپ پتوکی کے اسٹیشن پر اس ریل سے اتر گئے اور پتوکی سے آپ نے لاہور جانے والی گاڑی لی۔ آپ اگر پتوکی کے اسٹیشن ہی پر کھڑے ہوئے سو مرتبہ بھی زبان سے توبہ کہتے رہیں، آپ لاہور نہیں جاسکیں گے۔ توبہ ایک عملی اقدام ہے جس کے کرنے سے غلطی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اور مُضر اثرات محو ہو جاتے ہیں۔ اس میں پہلا قدم غلطی کا احساس، دوسرا اور اہم قدم غلط روش کو ترک کرنا، اور تیسرا قدم صحیح راستہ اختیار کرنا ہے۔ جب کوئی شخص یہ تینوں مراحل طے کرتا ہے تب اس نے توبہ کی، اور اس کو توبہ کرنا کہتے ہیں۔

غلط کام کرنے کے دو طرح کے اثرات ہوتے ہیں۔ ایک اثر تو معاشرہ پر ہوتا ہے جو جرم کہلاتا ہے اور دوسرا اثر اس غلطی کنندہ کی ذات پر ہوتا ہے جسے گناہ کہا جاتا ہے۔ آپ نے کسی شخص کے ایک ہزار روپے مار لئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو احساس ندامت ہوا۔ آپ اس کے پاس جائیں۔ اس کی رقم اس کو ادا کریں اس سے معافی مانگیں اور پکا عہد کریں کہ آپ آئندہ کسی کی کوئی رقم نہیں ماریں گے یہ آپ کی توبہ ہوگی۔ یہ توبہ صرف توبہ کا لفظ دہرانے سے نہیں ہوتی۔ نہ توبہ کی تسبیح پڑھنے سے۔

اس جرم کو آئندہ نہ کرنے کی اس توبہ سے آپ کی ذات پر جو بُرا اثر ہوا تھا وہ محو نہیں ہوا۔ اس کے لئے آپ اس شخص سے معافی مانگیں گے، اس کی رقم ادا کریں گے، اس کے بعد آپ دو ہزار روپے کسی اچھے کام پر خرچ کریں گے تو آپ کے اس جرم کا غلط اثر محو جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (11:114)، اعمال حسنہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ غلط اعمال کے نقصان رساں نتائج کا ازالہ کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں توبہ کا عمل نہ تو یہودیوں کی طرح ایسا Rigid ہے کہ غلطی کی معافی کا امکان ہی نہ ہو۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح ایسا نرم ہے کہ جس میں کسی کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک شخص جرم کئے جاتا ہے اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

کفارہ پر ایمان لے آئے اور پادری کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

سورۂ مریم میں ارشادِ عالی ہے: فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِیۡنَ (28:67) جس نے اس کے بعد اپنی روش بدل لی اور وہ کام کئے جو انسانوں کی صلاحیتوں کو بڑھانے والے ہوں۔ فَعَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِیۡنَ (28:67) اس کی کھیتی پروان چڑھ جائے گی۔

سورۂ مریم میں ارشادِ عالی ہے: اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ (19:60) فَاَمَّا مَنۡ تَابَ، جو اس چوراہے پر لوٹ آیا۔ وہ اس مقام پر آ گیا جہاں سے اس نے غلط راستہ اختیار کیا تھا پھر عَمِلَ صَالِحًا (19:60) صحیح راستہ پر چل پڑا۔ اس نے دونوں اقدامات اختیار کئے۔ پہلے صحیح راستہ پر آنا۔ پھر اس صحیح راستہ پر چلا، تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

مذہب میں توبہ، منہ سے توبہ کہنا، یا توبہ کی تسبیح پڑھنا ہوتا ہے۔ دین میں توبہ غلطی کا احساس، احساس کے بعد غلط کام کو چھوڑنا، درست راستہ اختیار کر کے اس پر چلنا ہوتا ہے۔ توبہ کرنا ان تین اقدامات پر مشتمل ہوتا ہے صرف منہ سے توبہ توبہ کہنے سے توبہ نہیں ہو جاتی۔

جامِ مے توبہ شکن، توبہ مِری جام شکن سامنے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

کوئی دعویٰ نہیں

کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں نے قرآن کریم کو اپنی بصیرت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اسی فکر پر اس تحریک کی بنیاد رکھی ہے میری یہ فکر میری تحریروں میں محفوظ ہے اور انہی تحریروں کا میں ذمہ دار ہوں۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات میری طرف منسوب کرے جو میری تحریروں میں نہیں، تو اس بات کو نہ کوئی سند حاصل ہو سکتی ہے نہ میں اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہوں، خواہ وہ شخص مجھ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ میں نے اس وارننگ کو اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سلسلہ ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔ اس زمرہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باتیں تو اپنی طرف سے کرتے ہیں، اور منسوب کر دیتے ہیں انہیں تحریکِ طلوعِ اسلام کی طرف، وہ دانستہ ایسا کرتے ہوں یا نادانستہ، دونوں صورتوں میں اس سے تحریک کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ تحریک کے لیے سند صرف وہ تحریریں ہیں جو اس کی طرف سے شائع ہوئی ہیں، نہ کہ زبانی روایات خواہ راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں میری درخواست ہے کہ آپ احباب اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھیں۔ (پرویزؒ، سالانہ کنونشن، 17 تا 20 مارچ 1966ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرحِ جاوید نامہ شائع ہوگئی!

مفکرِ قرآن غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کے لیکچرز کی تحریر پر مشتمل اپنے انداز کی منفرد شرح جاوید نامہ شائع ہوگئی ہے۔ بڑے سائز کے 800 صفحات پر مشتمل اِس یکتائے روزگار شرح کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے۔ ''جاوید نامہ'' کیا ہے اس کے متعلق پرویز علیہ الرحمتہ کی زبانی خود ملاحظہ فرمایئے:۔

''علامہ اقبالؒ کی فارسی کی کتاب ہے ''جاوید نامہ''۔ اگر آپ نوجوانوں کو اسلام کی تعلیم دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا' مبالغے کی بات نہیں ہے' یہ ایک کتاب ''جاوید نامہ'' پڑھا دیجئے لیکن اس کے پڑھانے کے لیے ایسے لوگوں کی یا ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو علومِ حاضرہ کے اوپر پوری دسترس رکھتا ہو۔ یہ بڑی جامع کتاب ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اقبالؒ کی فکر کا شاہکار ہے۔ تاریخ عالم پہ نگاہ' مذاہبِ عالم پہ نگاہ' سارے فلسفے کے اوپر نگاہ' الٰہیات کے اوپر نگاہ' سوشیالوجی کے اوپر نگاہ' تمدن کے اوپر نگاہ' نظام کے اوپر نگاہ' سب سے بڑی یہ چیز کہ قرآن کی گہرائیوں کے اوپر بڑی نگاہ۔ اگر کہیں یہ چیز نصاب کی اس انداز سے سامنے آئے پھر آپ دیکھئے گا کہ انہی نوجوانوں کی ذہنیت کیسے بنتی ہے اور کیا بنتی ہے۔ یہ جو چیز ہے کہ کوئی دوسری قوم آئے گی۔ بڑا حسین انداز ہے۔ اقبال کے الفاظ ہیں وہ اس انداز سے بات شروع کرتا ہے کہ یہ نظام آیا تو ملوکیت بھی گئی اور یہ پاپائیت بھی گئی اور سرمایہ داری بھی گئی یہ سب چیزیں انہوں نے اُڑا دیں۔ میرے دل کے اندر جو بات چھپی ہوئی ہے آج میں اسے بے نقاب کہہ دینا چاہتا ہوں۔ الفاظ نہیں مل رہے یہ کہنے کے لیے کہ میں کیا کہوں کہ یہ قرآن ہے کیا' یہ کتاب تو نہیں کچھ اور ہی ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب جان کے اندر کسی کے یہ اتر جاتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے''۔

(بحوالہ دروس القرآن سورۃ المائدہ آیات 51 تا 56)

منگوانے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام 25-B گلبرگ 2، لاہور۔54660، پاکستان
فون: 042-35714546 Idara@toluislam.com

مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بانیٔ پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناحؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق
ذاتی مشیر، منفرد مفکرِ قرآن و بانی تحریک طلوعِ اسلام اور تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ

علامہ غلام احمد پرویز کی تصنیفات 2022

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلد)		3500
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلد۔ دو جلدوں میں)		4000
لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)		6000
تبویب القرآن (مجلد)		4000
مطالب الفرقان (مکمل سیٹ ـــــ سورہ فاتحہ تا سورہ الحجر)		
مطالب الفرقان (جلد اول)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد دوم)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد سوم)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد چہارم)	600	1200
مطالب الفرقان (جلد پنجم)	*	1200
مطالب الفرقان (جلد ششم)	600	*
مطالب الفرقان (جلد ہفتم)	Out Of Print	
من و یزداں (اللہ کا صحیح تصور)	600	*
اِبلیس و آدم	600	1200
جُوئے نور	600	*
برقِ طور (داستانِ حضرت موسیٰؑ)	600	1200
شعلۂ مستور (حضرت عیسیٰؑ کی داستان)	*	1200
معراجِ انسانیت (سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ)	700	1400

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں	500	1000
انسان نے کیا سوچا؟	600	1200
اِسلام کیا ہے؟	500	1000
کتاب التقدیر	600	1200
جہانِ فردا (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	*	1200
شاہکارِ رسالت (سیرتِ فاروقِ اعظمؓ)	700	1400
نظامِ ربوبیت (قرآن کا معاشی نظام)	600	1200
تصوف کی حقیقت	600	1200
قرآنی قوانین	500	1000
سلیم کے نام خطوط (جلد اول)	500	1000
سلیم کے نام خطوط (جلد دوم)	*	1000
سلیم کے نام خطوط (جلد سوم)	*	1000
طاہرہ کے نام خطوط	500	1000
ختمِ نبوت اور تحریکِ "احمدیت"	400	800
حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (قائدِ اعظمؒ)	*	400
اقبالؒ اور قرآن (اول۔ دوم)	600	1200
مجلسِ اقبالؒ۔ اول (شرح مثنوی اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی)	600	1200
مجلسِ اقبالؒ۔ دوم (شرح مثنوی پس چہ باید کرد ...)	Out Of Print	
قائدِ اعظمؒ کے تصور کا پاکستان (مجموعۂ مقالات و خطبات)	500	*
بہارِ نو (مجموعۂ مقالات و خطبات)	500	1000

نام کتاب	پیپربیک	مجلّد
ISLAM: A Challenge to Religion	600	1200
Exposition of the Holy Quran	*	4000
The Book Of Destiny	600	1200
Reasons for Decline of Muslims	*	600
Islamic Way of Living	300	600
Letters to Tahira	*	1000
Quranic Laws	*	1000
The Quranic System of Sustenance	*	1000
Did Quaid-e-Azam Want to Make Pakistan a Secular State?	*	400
اسلامی معاشرت (روزمرہ کے متعلق قرآنی احکام وہدایات)	300	600
اسبابِ زوالِ امت	300	600
جہاد (جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کے احکامات)	*	400
خدااور سرمایہ دار (مجموعہ مقالات وخطبات)	400	800
سلسبیل (مجموعہ مقالات وخطبات)	500	1000

نام کتاب	پیپربیک	مجلّد
فردوسِ گم گشتہ (مجموعہ مقالات وخطبات)	500	*
متفرق کتب		
مقامِ حدیث	500	1000
قرآنی فیصلے (جلداول)	600	*
قرآنی فیصلے (جلددوم)	600	1200
قتلِ مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	*	400
مزاج شناسِ رسول	400	800
تحریکِ پاکستان کے گم گشتہ حقائق	Out Of Print	
The Best Of A.S.K. Joommal	*	1000
The Pakistan Idea	*	500
Woman - Recreated	*	500
The Bible - Word of God or Word of Man	*	600
The Holy Quran and our Daily Life	*	600

کتابیں ملنے کا پتہ

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

25/بی، گلبرگ 2، لاہور

فون نمبر: 35753666

tolueislam@gmail.com

ان قیمتوں میں ڈاک خرچ اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہیں۔

خورشید انور (چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

حقیقت کے متلاشی لوگ
ڈنمارک کا ایک نومسلم

2007ء کی بات ہے کہ مدین سوات سے تعلق رکھنے والا میرا ایک رشتہ دار میرے ہاں آیا، اس کے ساتھ ڈنمارک کا ایک نومسلم بھی تھا، ان دنوں مدین میں اور بھی بہت سارے غیر ملکی سیاحت کی غرض سے آیا کرتے تھے۔ میرے رشتہ دار نے بتایا کہ اس کے ساتھی کا نام مائیکل ہے اور ڈنمارک سے اس کا تعلق ہے جو مسلمان ہوا ہے۔ عرصہ دراز سے یہاں رہ رہا ہے پشتو بھی سیکھ لی ہے۔ میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کی وجہ پوچھی اور ساتھ یہ بھی پوچھا کہ آپ ہمارے کون سے عمل و کردار سے متاثر ہوئے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ میں نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے اس سے متاثر ہوا ہوں اور اب ڈینش زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ لکھ رہا ہوں، کیونکہ ڈینش زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ اسی غرض سے میں بہت سے اور اسلامی ممالک میں بھی گیا ہوں اور یہاں بھی اسی مقصد کے لئے رہ رہا ہوں۔ خیر مہمان نوازی اور گفتگو کے بعد میں نے ان کو بتایا کہ میں آپ کو ایک کتاب گفٹ کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے فوراً حامی بھر لی اور میں نے اسے علامہ پرویزؒ کی کتاب Islam a Challenge to Religion دیدی۔ کوئی ایک ہفتہ بعد میں مدین ان سے ملاقات کی غرض سے گیا، جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے انتہائی پریشانی و ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ آپ نے تو میرے 3 سال کی محنت ضائع کردی۔ میں نے حیرانی سے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے تو 16 ویں پارے تک ترجمہ کیا ہوا ہے، مگر افسوس کہ اس شخص کو پڑھا کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تو ہر کسی سے یہاں کے علماء اور ان کی انگریزی تحریروں کے متعلق پوچھا تھا مگر کسی نے اس شخصیت اور ان کے تحریروں کے بارے میں بتایا ہی کچھ نہیں تھا، اب تو مجھے دوبارہ سے قرآن کریم کا ترجمہ لکھنا پڑے گا۔ خیر میں گھر واپس آیا اور اگلے ہی دن ادارے کو خط لکھا کہ باباجی کی جتنی تصانیف بھی انگریزی میں موجود ہیں مجھے بھیج دیں۔ ادارے/ٹرسٹ نے Exposition of the Holy Quran اور کئی انگلش پمفلٹس مجھے بھیجے۔ میں نے وہ بھی انہیں گفٹ کردیئے اور انہوں نے دوبارہ ترجمہ لکھنا شروع کیا۔

پھر کچھ عرصہ بعد وہ اپنے وطن ڈنمارک چلا گیا۔ چند ماہ وہاں رہنے کے بعد جب واپس آیا تو میں بھی خوش آمدید کہنے اور خیریت دریافت کرنے کی غرض سے ان کے ہاں مدین گیا۔ بہت گرم جوشی اور پیار سے ملا۔ میں نے وہاں کے حالات کی

بابت دریافت کیا انہوں نے تو بتایا کہ یہ مذہبی اور مولوی قسم کے لوگ انتہائی تخریبی ذہنیت کے مالک ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کس طرح؟ بتایا جب میں ڈنمارک گیا اور اپنے ادارے کی وساطت سے مکمل کئے ہوئے ترجمہ میں سے دو پارے چھپائی کے لئے پرنٹنگ پریس بھیجے۔ تو وہ چھاپ دیے گئے، اور چھپائی کے بعد حکومت نے سرکاری طور پر ڈنمارک کے تمام سکولوں میں بھیج دیئے۔ جب تیسرا پارہ گیا تو سنسر بورڈ میں پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک نمائندے نے اس پر اعتراض کیا کہ اس میں حوالہ جات کے لئے علامہ غلام احمد پرویز کا نام درج کیا گیا ہے اور یہ شخص متنازعہ ہے۔ پھر اس کے لئے کیس کرنا پڑا وغیرہ وغیرہ۔

میں نے ویسے بغیر سوچے سمجھے کہا کہ آپ نے علامہ پرویز کا حوالہ کیوں دیا، ویسے ہی لکھ دیتے۔ تو انہوں نے حیرت کی نگاہ سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا میں یہ ظاہر کرتا کہ قرآن کریم پر یہ تحقیق میری ہے؟ کیونکہ دیگر علماء تو اسلام کو بحیثیت مذہب پیش کرتے ہیں۔ صرف یہ واحد عالم ہے جس نے اسلام کو بحیثیت دین یعنی نظام زندگی کے پیش کیا ہے۔ وہ یہ کچھ بتا رہا تھا اور میں ان سوچوں میں گم تھا، کہ یہ کتنے دیانت دار لوگ ہیں کہ یہاں تو ہر کوئی دوسرے کی تحریر کاپی کر کے اپنے نام سے شائع وشیئر کر دیتے ہیں اور کاپی پیسٹ دانشور بن کر نام کمانے کے چکر میں مصروف رہتے ہیں، حالانکہ یہ ادبی سرقہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سکولوں وکالجوں میں تو کیا مدرسوں میں بھی قرآن کریم نہیں پڑھایا جاتا اور نہ نصاب کا حصہ ہے اور وہاں کی حکومت سرکاری طور پر سکولوں میں بچوں کو پڑھانے کے لئے قرآن بھیج دیتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ اگر علامہ پرویز علیہ الرحمۃ کو گمراہ کن پروپیگنڈے کے زور پر اتنا بدنام نہ کیا جاتا، یا ہم نے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہوئے علامہ پرویزؒ کے خلاف بہتان تراشیوں پر مبنی پروپیگنڈے کا توڑ کیا ہوتا، تو ایک دنیا قرآنی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام کو بحیثیت نظام مملکت اپنا چکی ہوتی۔

سانحہ ارتحال

آہ! بزمِ طلوعِ اسلام کے قدیمی رُکن طارق عزیز صاحب بھی وفات پا گئے۔

طارق عزیز صاحب اپنے بھائی واجد صاحب کے ساتھ نوعمری ہی میں بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کے فعال رُکن کی حیثیت سے رُوشناس ہوئے۔ وہ محترمہ آسیہ حمید کے بھائی، صائمہ حمید اور فوزیہ مالک کے ماموں تھے۔ یہ خاندان مسلسل فکرِ قرآنی کا گرویدہ چلا آ رہا ہے۔ محترم طارق عزیز صاحب لندن میں مقیم تھے اور جسمانی بیماریوں میں گھرے ہونے کے باوجود انہیں جہاں بھی موقع ملتا فکرِ قرآنی کے تعارف میں پیش پیش رہتے۔ طویل علالت کے بعد 27 جولائی 2022ء کو وفات پا گئے۔

ادارہ ان کے پس ماندگان، اہلیہ، بچوں، بھائی، بھانجوں کے غم میں برابر کا شریک ہے اور آرزومند ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نیک اعمال اور صالح زندگی کے عوض جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔

محمد سلیم اختر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چیریٹی، سرمایہ دارانہ نظام اور قرآن

(ایک پریزنٹیشن کے نوٹس)

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر انسان کو اختیار وارادہ کا مالک بنا کر صاحبِ تکریم پیدا کیا ہے۔ اس کے سامنے حق اور باطل کے دونوں راستے رکھ دیے ہیں وہ چاہے تو قرآن کی روشنی میں حق وصداقت کے راستے کو پہچان کر اختیار کر لے چاہے تو باطل کے راستے پر چلتا رہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق کے راستے کو کیسے پہچانا جائے۔ قرآن میں محفوظ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہدایت صرف قرآن کے ذریعہ میسر آتی ہے اور ''ہدایت'' اس انسان کو ملتی ہے جو اس کے لئے جستجو کرے اور سرگرداں رہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾

ہم نے تجھے تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو راستہ دکھا دیا۔

اور جب انسان اپنی تحقیق وتجسس سے نورِ قرآنی تک پہنچ جاتا ہے

اور قرآن کے پیغام کو سمجھ کر شرح صدر کر لیتا ہے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس پیغام کو دوسرے ہم نفسوں سے متعارف کرائے اور اس طرح سے انہیں بھی بالغ نظر کر دے۔

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (13:40)

اس کے لئے سب سے پہلے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو، اپنے معاشرے کو ان کے غلط نظامِ معاشرت کے نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (26:214)

اور اس کے بعد اس سلسلۂ انذار وتنذیر کو عالمی سطح تک پھیلا دو۔

اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں مستقل مزاجی سے کام لو اور یقین رکھو کہ تمہارا مشن کامیاب ہوگا۔ (30:60)

تنظیمی کوشش:

اس طرح سے فرداً فرداً لوگ آپ کے ساتھ ہم نظری اور ہم آہنگی اختیار کرنا شروع ہو جائیں گے۔ جبکہ بہت سے لوگ باوجود واضح ہدایت کے ایمان نہیں لائیں گے (2:6)۔

اور پھر کہا گیا:

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۲۹﴾ (53:29)

سو جو لوگ طبیعی زندگی کے مفاد سے بلند کوئی نصب العین ہی اپنے سامنے نہ رکھیں، اور اس لئے ہمارے اس ضابطۂ حیات سے رُوگردانی کریں (اے رسولؐ!) تم ان سے پہلوتہی کرلو (اور اپنے پروگرام کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہو)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَاصۡفَحۡ عَنۡہُمۡ وَ قُلۡ سَلٰمٌ (43:89)

ان سے الگ ہو جاؤ اور کہہ دو کہ میرا اسلام ہے۔

اور جماعتِ مومنین کا آپس میں برتاؤ کیسا ہونا چاہئے فرمایا:

وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ (8:72)

یہ ایک دوسرے کے مددگار اور دوست ہوتے ہیں۔

اور یہ جماعت مومنین، اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ (48:29) حق وصداقت کا انکار کرنے والوں کے لئے سخت اور اپنے ہم نظر، ہم فکر ساتھیوں کے لئے سراپا رافت ومحبت ہوتے ہیں۔

چیریٹی اور سرمایہ دارانہ نظام:

قرآن کریم یہودیوں کے متعلق کہتا ہے کہ انہوں نے نظام زندگی ایسا قائم کر رکھا تھا جس میں خود ان کے اپنے افراد ایک دوسرے کا گلا کاٹتے تھے اور بالا دست لوگ کمزوروں اور ناتوانوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے تھے۔ اس کے بعد جب ان لوگوں کو دوسرے لوگ قید کر لیتے تھے تو یہ فدیہ دے کر انہیں چھڑاتے تھے اور اسے بڑا نیکی کا کام تصور کرتے تھے۔

حالانکہ وَ ہُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیۡکُمۡ اِخۡرَاجُہُمۡ (2:85) خود ان لوگوں کو گھروں سے باہر نکال دینا سخت جرم تھا۔ اس جرم کے ارتکاب پر تو ان کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن چند قیدیوں کو چھڑا کر ثواب حاصل کرنے کے لئے وہ آگے بڑھتے تھے۔

اس کے بعد قرآن کریم نے ایک عظیم اصول بیان کیا ہے جو اس باب میں بڑی واضح راہ نمائی دیتا ہے۔ وہ ان سے کہتا ہے اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَ تَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ (2:85) کیا تم یہ طرزِ عمل اختیار کرنا چاہتے ہو کہ ضابطہ قرآنی

کے ایک حصہ پر ایمان رکھو اور اس کے دوسرے حصے سے انکار کرو۔

ظاہر ہے کہ قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانا بہرحال ایک نیک کام ہے جس کا اجر ملنا چاہئے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ انسانیت پر ظلم کرنے والے غلط نظام کے اندر اس قسم کی انفرادی نیکیاں موجب ثواب نہیں بن سکتیں۔ اس جرم کا سیلاب اُس قسم کی جزئی "مرمتوں" کو بہا کر لے جاتا ہے اور اس تمام عمل کا کلی نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اس قسم کی غلط ذہنیت قریش مکہ کی بھی تھی جس کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ان سے کہا گیا کہ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (19:9) کیا تم سمجھتے ہو کہ حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے سبیلیں لگا دینا یا خانہ کعبہ کی تعمیر و تزئین کے کاموں میں حصہ لینا اس شخص کے اعمال کے برابر ہے جو صحیح نظام زندگی کی ابدی حقیقتوں (ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت) پر یقین رکھتا ہے اور پھر اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے مسلسل جدوجہد کرتا رہتا ہے؟ تم اپنے ذہن سے کچھ ہی کیوں نہ فیصلہ کر لو لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ میزان خداوندی میں ان کا وزن برابر نہیں ہوسکتا۔ غلط نظام قائم کرنے والے اس قسم کے انفرادی نیک کاموں کے باوجود ظالم کے ظالم رہتے ہیں اور خدا کا قانون یہ ہے کہ ظلم کرنے والوں پر نجات و سعادت کی راہیں کبھی کشادہ نہیں ہوتیں۔ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (9:19)۔

دنیا میں سب سے زیادہ چیریٹی اور دان پُن کا کام عیسائی، یہودی اور ہندو کرتے ہیں اور یہ کام ہزاروں سال سے کرتے چلے آرہے ہیں کیا اس سے کوئی دَلت اور شُودر عالی مرتبہ برہمن کے برابر مقام پا سکا۔ اس دان پُن اور خیرات کا کیا فائدہ جس سے سرمایہ دارانہ نظام ختم نہ ہوسکے بلکہ اس بوسیدہ نظام کی "لیپا پوتی" ہوتی رہے۔ سورہ النساء کی آیت 38 دیکھئے

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا

یہ تو اُن لوگوں کا حال ہے جو مال و دولت کو اپنے مفاد کے لئے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اسے خرچ تو کرتے ہیں، لیکن اس لئے نہیں کہ وہ خدا کے عالمگیر نظامِ ربوبیت کی صداقت، قانونِ مکافاتِ عمل، اور موت کے بعد زندگی کے مسلسل آگے بڑھنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ محض لوگوں میں اپنی نمود و نمائش کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اس کا جذبۂ محرکہ اپنے ایغوا نا کی تسکین ہوتا ہے اور بس۔ سو ظاہر ہے کہ جس عمل کی بنیاد اس قسم کے پست جذبات پر ہو، اس کا نتیجہ کس طرح خوشگوار ہوسکتا ہے؟

یاد رکھو! اچھے سے اچھا معاشی نظام بھی، جس کی بنیاد اِیمان بالآخرت پر نہ ہو، کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ اِیمان بالآخرت ہی ہے جو اِنسان کو اس پر آمادہ کرسکتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ محنت کر کے کمائے (پیدا کرے) اور اپنی ضروریات سے زائد بطیبِ خاطر، دوسروں کے لئے دے دے۔

اس کے علاوہ بہت سے لوگ خیر خواہی کی نیت سے بھی لوگوں کی امداد کرتے ہیں اور بہت سے فلاحی ادارے بھی کام کر رہے ہوتے ہیں لیکن غلط نظام کی وجہ سے نہ ظلم ختم ہوتا ہے نہ جبر ختم ہوتا ہے اور نہ ہی غربت ختم ہوتی ہے۔ (دہی کے برتن میں (چیریٹی اور خیرات کی شکل میں) جتنا بھی دودھ ڈالتے جائیں گے وہ دودھ خراب ہوتا جائے گا۔

ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد

چیریٹی کس کو دینی چاہئے:

ہمارے نزدیک عطیات کا صحیح ترین مصرف اس ''تنظیمی کوشش'' کو ثمر یاب کرنے کے لئے صَرف کرنا چاہئے جو کہ ایک قرآنی معاشرہ کے قیام کے لئے سرگرمِ عمل ہو اور اس تنظیمی کوشش کو بروئے کار لانے والے وہ کارکن جو مالی طور پر کمزور ہُوں ان کی مدد کی جائے تا کہ قرآنی معاشرہ کے قیام کے لئے جدوجہد کو مزید تقویت پہنچے۔ اس ضمن میں دیکھئے قرآن کیا ارشاد فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ (2:274-273)

مفہوم: یہ بھی یاد رکھو کہ اس روپیہ کو، پیشہ ور بھک منگوں پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ یہ اُن حقیقی ضرورت مندوں کے لئے ہوگا جو، اس نظام کی تشکیل کے سلسلہ میں، کہیں روک دیئے گئے ہوں۔ وہ نہ وہاں سے کسی اَور جگہ جا سکیں اور نہ ہی وہاں رہتے ہوئے اپنی ضروریات پوری کرسکیں۔ اُن میں (سیرت کی پختگی کی وجہ سے استغناء کا یہ عالم ہو کہ) ناواقف یہی سمجھے کہ اُن کے پاس بہت کچھ ہے۔ اُنہیں کسی چیز کی کمی نہیں۔ البتہ جاننے والے اُنہیں، اُن کے چہروں پر نمودار ہو جانے والے اثرات سے پہچان لیں۔ یہ لوگ، لپٹ لپٹ کر مانگنے والے گداگر نہیں ہوتے۔

اِن لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے تم جو کچھ دو گے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہوگا۔ یعنی، اُسے دینے والوں کی نیت کا بھی علم ہوتا ہے اور لینے والوں کی ضروریات کا بھی۔

> اس آیتِ کریمہ میں ''فقیر'' اور ''فی سبیل اللہ'' کی تعریف بھی متعین کر دی گئی ہے۔ یعنی یہ ایسے فقرا ہُوں گے جو نظام ربوبیت کی تشکیل کے لئے عمل آزما ہُوں گے۔ ایسے فقرا جو تنظیمی کوشش کا حصہ ہُوں اور لپٹ لپٹ کر (لحافاً) نہ مانگتے ہُوں ان تک مالی کمک پہنچانا خوشحال احباب کا فریضہ بن جاتا ہے۔

اس انداز سے دینے والے، وہ لوگ ہیں جو اپنا مال دِن رات، کھلے بندوں اور خاموشی سے، اِس مقصد کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اِنہی کی قربانیوں سے وہ نظام قائم ہوتا ہے جس میں نہ کسی کو کسی قسم کا خوف و خطر رہتا ہے، نہ اُفسردگی اور غمگینی۔

قرآن چونکہ انسانی زندگی کے ہر دور کے لئے راہ نمائی دیتا ہے۔ اس لئے اس نے جہاں اُس منزل کا پورا پورا تعارف

کرادیا ہے۔ جہاں پہنچ کر نظامِ ربوبیت اپنی مکمل شکل میں قائم ہوتا ہے، وہاں اُس نے اُس عبوری دور(Transitory Period) سے متعلق بھی احکامات وضوابط دے دیئے ہیں جس سے گزر کر یہ بتدریج آخری منزل تک پہنچتا ہے۔ اس (عبوری) دور کے احکام وقوانین بھی ایسے ہیں جو معاشرہ کو رفتہ رفتہ آخری منزل تک پہنچنے کے لئے تیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں خیرات وصدقات کی ترغیب۔ بخل اور حرص کی مذمت، ربٰو کی ممانعت، زراندوزی کی مخالفت، وراثت کے احکام سب اس عبوری دور سے متعلق ہیں۔ کہیں اس کا ارشاد ہے کہ: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (9:34) ''جولوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں اور اسے ''اللہ کی راہ'' میں کھلانہیں رکھتے' تو انہیں دردناک عذاب سے آگاہ کردے''۔ قرآنی اصطلاح ''سبیل اللہ'' پر الگ ایک پریزنٹیشن کی ضرورت ہے کہ سبیل اللہ سے اور سبیل الطاغوت سے کیا مراد ہے۔ اور کہیں وہ کہتا ہے کہ تمہاری تباہی کی وجہ یہ ہے کہ: وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (20-89:19) تم وراثت کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دولت سے اس قدر محبت رکھتے ہو کہ چاہتے ہو کہ سب کا مال تمہارے ہی پاس آجائے۔ کہیں وہ کہتا ہے کہ تباہی ان لوگوں کے لئے ہے جن کی ذہنیت یہ ہے کہ: اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ (3-83:2) کہیں وہ مالیات کے مشیروں سے کہتا ہے کہ دولت کی تقسیم اس طرح نہ کرو۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (59:7) کہ وہ تم میں سے دولتمندوں کے طبقہ ہی میں گردش کرتی رہے اور کہیں قارون صفتوں سے کہتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لو کہ جس قدر مال ودولت تمہارے پاس جمع ہوگیا ہے اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (28:78)۔ یہ سب ہماری ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اس پر ہمیں کامل تصرف حاصل ہے کہ جس طرح جی چاہے اسے صرف کریں۔ تم لوگ اس غلط نظام کے Beneficiary ہو۔

قرآن کے یہ احکام وضوابط اپنی اپنی جگہ مستقل راہ نمائی کا کام دیتے ہیں۔ لیکن جب نظامِ ربوبیت اپنی مکمل شکل میں قائم ہوتا ہے تو اس میں چونکہ ضروریات ہرایک کی پوری ہوجاتی ہیں اور فاضلہ دولت کسی کے پاس رہتی نہیں۔ اس لئے اُس وقت، اس جماعت یا معاشرہ کے لئے عبوری دور سے متعلق احکام کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس طرح قرآن بتدریج اُس نظام کو ان افراد کے ہاتھوں قائم کرادیتا ہے جو صحیح تعلیم وتربیت سے اسے چلانے کی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کرلیتے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ قرآنِ کریم 2۔ مفہوم القرآن 3۔ خدااور سرمایہ دار

لُغاتُ القرآن

ایک ڈِکشنری نہیں بلکہ قرآنی تعلیم کا اِنسائیکلوپیڈیا ہے

اس میں، قرآنِ مجید کے ایک ایک لفظ کا پہلے، عربی زبان کی مستند کُتبِ لُغت کی رُو سے، معنیٰ متعیّن کیا گیا ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ الفاظ قرآنِ مجید کے مختلف مقامات پر کس کس انداز میں اور کون کون سے مطالب کے لئے آئے ہیں اور قرآنِ مجید کی کلّی تعلیم میں ان کا مقام کیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ بعض الفاظ کے معانی پانچ پانچ سات سات صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اگر اس لُغاتُ کو شروع سے آخر تک، غور وفکر سے پڑھ اور سمجھ لیا جائے تو قرآن مجید کی ساری تعلیم سمجھ میں آجاتی ہے ـــــ اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ

مفہوم القرآن میں فلاں آیت کا جو مفہوم دیا گیا ہے، اس کی سند کیا ہے!

اس اعتبار سے مفہوم القرآن اور لُغاتُ القرآن کا چولی دامن کا ساتھ ہے

لُغاتُ القرآن

کا نیا اور کمپیوٹر کمپوزڈ ایڈیشن شائع ہوگیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج | طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25 بی، گلبرگ 2، لاہور
tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com
www.facebook.com/tolueislam.trust
Phone: +92 42 35753666 +92 42 35714546

یوسف سیجا

علامہ پرویزؒ کا تحقیقی شہکار۔۔۔لغات القرآن

پرویز صاحب نے لغات القرآن کے نام سے چار جلدوں پر مشتمل لغت لکھی، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے دنیا میں موجود ضخیم ترین مستند ترین لغات سے استفادہ کیا، دیگر ممالک سے آنے والے وفود ورطہ حیرت کا شکار ہو جاتے تھے، کیونکہ ایسی مثال انہوں نے اپنے ممالک میں نہیں دیکھی ہوتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ یہ مقصد جماعت کا متقاضی ہے۔ ہمارے یہاں ایسا اس لئے ہوجاتا ہے کہ بے شمار مجبوریاں ایسا کرنے والوں کے دامن گیر رہتی ہیں۔

لغات القرآن لکھنے کی وجہ سے پرویز صاحب لفظ کی حرمت اور اس لفظ میں موجود تصور کے بارے میں بے انتہا نفسیاتی طور پر حساس ہو چکے تھے۔ زندگی بھر وہ اس حساسیت سے باہر نہیں نکل سکے تھے اور نہ وہ نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔

قرآن تو بات کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیتا ہے۔ دنیا سمیت اس پوری کائنات میں موجود تمام کے تمام تصورات کو وہ الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات نے محترم ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ کو یہ صلاحیت بخشی تھی۔ پرویز صاحب کے پاس الفاظ و معنی کا ایک سمندر تھا، قرآن مجید کے کسی مضمون پر جب وہ غور وفکر کرتے تھے اور نتیجہ کے طور پر اسے تحریر میں لاتے تھے تو الفاظ کے سمندر سے ہیرے جواہرات چنتے چنتے ان کے ہاتھ تھک جاتے تھے، آپ ان کے لٹریچر میں اس کی مثال بہت سی جگہوں پر محسوس کریں گے، قرآن مجید کے کسی بھی مضمون کو بیان کرنے کے لیے ان کے پاس زیادہ سے زیادہ زاویے اور شئون ہوتے تھے، اور انہیں ضبطِ تحریر میں لانا ان کے لیے مشکل اس لیے نہیں تھا کہ ان کے پاس بے شمار الفاظ کا ذخیرہ موجود تھا جو سو سال کی تاریخ میں کسی کی تحریر میں نہیں ملتا، بعض لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ وہ پرویز صاحب کی تحریر کو ایک جادوئی تحریر کہتے ہیں، یہاں تک کہ اہل علم بھی انہیں اس الزام سے بری نہیں کرا سکے کہ انہوں نے قرآن مجید کے الفاظ کو نئے معنی پہنائے ہیں، حالانکہ صلوٰۃ کے معنی کو بھی انھوں نے نیا لباس نہیں پہنایا تھا دنیا کی بے شمار ڈکشنریز میں یہ تصور موجود تھا اور چلا آرہا تھا، لیکن اسے عوامی بنانے کا اعزاز پرویز صاحب کو دیا جا سکتا ہے، نئے معنی کی تخلیق کا ان پر الزام نہیں لگایا جا سکتا ہے ایک الزام ان پر یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کو انہوں نے قرآن مجید نہیں رہنے دیا بلکہ تشبیہات اور استعارات کے ذریعے اس کا مفہوم ہی کچھ اور کر دیا ہے، حالانکہ پورے قرآن مجید کی تعلیمات آپ کے سامنے ہیں تشبیہات اور استعارات کے ذریعے بات سمجھانے کا عمل تو قرآن مجید نے خود شروع کیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ خود قرآن مجید میں بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں اور ایسے مفہوم لیے جا سکتے ہیں اس کی تائید کے دلائل قرآن مجید کی تعلیمات سے ملتے ہیں۔

مثال کے طور پر ان پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ معجزات کا انکار کرتے تھے قرآن مجید تو خود ایک رہتی دنیا تک کا معجزہ ہے تو کیا وہ قرآن کا انکار کرتے تھے؟ اگر کسی انسان کی قرآنی تفاسیر نے کسی واقعے کو معجزہ قرار دے دیا ہے تو ضروری

نہیں ہے کہ قرآن مجید بھی اس معجزے کی تائید کر رہا ہے چونکہ قرآن مجید کی لغت لکھنے کی وجہ سے انہیں قرآن مجید کے ذخیرہ الفاظ اوران کے معنی پر مکمل عبور حاصل تھا لہٰذا جب وہ کسی ایک لفظ کے معنی متعین کرنے کی طرف قدم بڑھاتے تھے تو اس قبیل کے تمام کے تمام الفاظ ان کی نظروں کے سامنے گردش کرنے لگ جاتے تھے وہ ایک لفظ کے ایک معنی کے قریب ہوتے تھے تو بہت سارے الفاظ اپنے اپنے معنی کو لے کر ان سے فاصلے پر چلے جاتے تھے انہوں نے اس انتہائی آزمائشوں اور پیچیدگیوں کا یہ حل نکالا کہ آیت میں موجود لفظ اس آیت کا اٹوٹ انگ ہونا چاہیے۔ اس لفظ کا سب سے زیادہ قریبی مضبوط رشتہ اس آیت سے ہونا چاہیے۔ کسی ایک آیت کا مفہوم پورے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے سامنے بچھڑتا ہوا نظر نہیں آئے، تضاد نظر نہیں آئے، قرآن کی مجموعی تعلیم کے خلاف جاتا ہوا نظر نہ آئے، ان کے ذہن میں یہ مقصد جاگزیں تھا کہ قرآن مجید کا ایسا مفہوم مرتب کردیا جائے تاکہ قرآن مجید کی پوری تعلیم کو ایک مربوط و منظم، اور تضادات سے بری ثابت کیا جاسکے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن مجید میں تضادات ہیں ایسا سوچنا تو شرک ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس ہزار سال کے دور میں قرآن مجید کی تعلیم کو اس طرح سے پیش کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم سے تضادات ابھرا بھر کر نظر آتے ہیں ہماری آنکھوں کے اس دھوکے کو ایک حقیقت بنادیا گیا ہے، تلمیذ القرآن کے لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو تضادات سے بھرپور نہیں، بلکہ منظم و مربوط اور ''لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ '' سمجھ کر اس کی طرف اپنا پہلا قدم بڑھائیں، پرویز صاحب نے یہی کوشش کی، قرآن مجید سورہ البقرہ کی یہ دوسری آیت ہذا لک الکتاب لاریب فیہ،، سورہ فاتحہ میں انسان کی آرزو کو بیان کیا گیا ہے اور سورہ بقرہ کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے نوع انسانی کو بتادیا گیا کہ سب سے پہلا تمہارا قدم یہی ہے اس کے بعد آگے قرآن مجید کی طرف بڑھ سکتے ہو، لہٰذا بار بار پرویز صاحب کی طرف سے اس کا اعلان بھی کیا گیا اور اس اعلان کا اعادہ بھی کیا گیا کہ قرآن مجید کی تعلیمات کے لئے میں سند نہیں ہوں، آپ میں سے ہر فرد جو مسلمان ہے اس کو قرآن مجید خود پڑھنا اور سمجھنا چاہیے لیکن پہلا قدم جو قرآن مجید نے بتایا ہے وہی ہے، ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ اس پر ایمان اور عمل اگر نہیں ہے تو پھر قرآن مجید خود سے سمجھ میں آہی نہیں سکتا، اور نہ دنیا کا کوئی استاد اس شرط کے بغیر اس کتاب قرآن مجید کو سمجھا سکتا ہے، لہٰذا پرویز صاحب کی پوری زندگی کی مساعی جمیلہ وجلیلہ کا نتیجہ یہی تھا ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ پوری زندگی وہ یہی نعرہ لگاتے رہے، ان کی زندگی کے لکھے ہوئے ایک ایک لفظ یہاں تک کہ ان کا تمام کا تمام لٹریچر اسی آیت کی تفسیر ہے۔ قرآن مجید کے مضامین پر پڑے دبیز پردوں کو ہٹانے اور ان کے معنی پر جو گرد چھائی ہوئی تھی اور جس طرح سے غبار نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا پرویز صاحب نے اس جھاڑ اور جھنکار کو صاف کیا، ایک استاد کا یہی کام ہوتا ہے، نئے معنی تخلیق کرنا یہ تو شرک کے مترادف ہے، یہ تو وحی و تنزیل کا حامل کتاب نبی بھی نہیں کرسکتا تھا وہ بھی قرآن مجید کو قرآن مجید ہی سے سمجھاتا پڑھاتا اور سکھاتا تھا۔ اس کام کے لیے اللہ کی سند کی ضرورت ہوتی ہے جو نبی کریم ﷺ کو حاصل تھی، قیامت تک یہ سند کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا جسے سند حاصل نہیں ہے وہ شخصیت میرے لئے یا آپ کے لئے بھی سند نہیں ہوسکتی نبی کریم ﷺ قرآن کی اطاعت اور اتباع کرتے دکھاتے چلے جاتے تھے، یہی نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے جو قیامت تک جاری وساری رہے گی۔ اسی حسین سنت پر ہم سب مسلمانوں کو عمل کرنا ہے، اور قیامت تک نبی کریم ﷺ کی اسی سنت پر عمل کیا جاتا رہے گا۔

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

ارتقائی عمل میں انسانی ذات کے مقام کے حصول پر عِلم کا کردار

رحیم اور رحمان دونوں صفات نشوونما دینے کے لیے آتی ہیں۔ اب نشوونما کے دو الگ الگ طریقے ہمارے سامنے آ گئے۔ رحیم کا لفظ تدریجی Progressive نشوونما کے لیے آئے گا، اور جہاں یہ نشوونما Emergent ہوگی، وہاں رحمن کا لفظ آئے گا۔ ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ وحی اکتسابی علم نہیں ہے۔ وحی کا علم فجائی Emergent طور پہ ملتا ہے۔ چونکہ خدا کی صفت الرَّحْمٰنِ (1:2) میں فجائی Emergent مفہوم پایا جاتا ہے، اس لئے کہا عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (2:5) ''قرآن کی وحی رحمن نے دی''، یعنی خدا نے اپنی صفتِ رحمانیت کے تحت قرآن دیا۔ جو کچھ صفت رحمان کے تحت دیا گیا، وہ بھی تو پھر فجائی Emergent ہی ہوا یعنی وحی کے ذریعے دیئے جانے والے قرآن کی تعلیم بھی فجائی Emergent ہے۔ تعلیمِ قرآن کریم کے لیے، ایک لفظ الرحمن استعمال کر دینے سے، وحی کی ساری حقیقت اس کے اندر آ گئی۔ اب یہاں ہم وحی کے لغوی اور اصلاحی مفہوم سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے اِس کا مُختصر جائزہ بطورِ علم پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وحی بطور ذریعہ علم:

وحی عام لغوی مفہوم میں پیغام، خفیہ اشارہ، الہام، دل میں ڈالا جانے والا خیال تحریر کیا جاتا ہے۔

راغب کی مفردات القرآن میں الوحی کے معنی اشارہ سریع کے ہیں۔ اوراس کے معنی سرعت کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہر تیز رفتار معاملہ کو امر وحی کہا جاتا ہے۔ اور یہ (وحی) کبھی رمز وتعریض کے طور پر بذریعہ کلام کے ہوتی ہے اور کبھی صوت مجرد کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس میں ترکیب الفاظ نہیں ہوتی اور کبھی بذریعہ جوارح کے اور کبھی بذریعہ کتابت کے) تاج العروس میں الوحی سے مفہوم اشارہ، جس میں تیزی اور سرعت ہو، کتابت (یعنی لکھنا) بھی ہیں اور اوَحی کے معنی حکم کرنا۔ امر کرنا ہیں۔

وحی کے اصطلاحی مفہوم میں اِس کا تصور خدا کا پیغام لیا جاتا ہے جو اب مکمل اور نا قابل تغیر حالت میں قرآن کی دفتین میں اللہ نے محفوظ شکل میں قیامت تک نوع انسان کو دے دیا ہے۔ اسی کو نزول وحی کہتے ہیں۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (2:97)

''اسے جبریل نے تیرے قلب پر نازل کیا ہے۔''

وحی کے متعلق ہمیں صرف اس بات پر ایمان رکھنا ہوتا ہے کہ وہ نبی کو منجاب اللہ ملتی ہے۔ وحی ایسی شے ہے، جس کے متعلق خدا نے محمد ﷺ سے کہلوا دیا کہ ''اس میں میری فکر کا، میرے کسب و ہنر کا، کوئی دخل نہیں ہے، نہ ہی وحی میرے خیالات اور خواہشات پر مبنی ہے'' 53/3۔ یہ وحی کا علم خدا کی طرف سے مجھے ملتا ہے۔ یعنی کائنات کے اندر جو راہ نمائی جبلّی طور پر ان کی فطرت میں رکھ دی جاتی ہے، وہ ان اشیاء کے علم، کسب و ہنر کا نتیجہ نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان کے اندر خدا کی طرف سے رکھ دی گئی وحی ہوتی ہیں۔ لہٰذا مجبور اشیاء کے اندر ودیعت کردہ راہ نمائی کو ''وحی'' کہا گیا ہے۔ اشیائے کائنات میں ودیعت کردہ، رکھ دی گئی راہ نمائی کو ان اشیاء کی جبلّت Instinct کہا جاتا ہے، ان کی فطرت کہا جاتا ہے۔ مثلاً پانی کی فطرت ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے۔ ایک خاص درجۂ حرارت پر جاکر پانی بخارات میں تبدیل ہو جائے، اور ایک خاص درجے پر پانی جم جائے۔ بکری کی فطرت ہے کہ وہ گوشت نہیں کھاتی اور شیر کی فطرت ہے کہ وہ گھاس نہیں کھاتا۔ جو فطرت کسی نوع کے ایک فرد کی ہوتی ہے، وہی فطرت اس نوع کے سارے افراد کی ہوتی ہے۔ گائے گوشت نہیں کھاتی تو دنیا کی ساری گائیں گوشت نہیں کھاتیں۔ انسان کے علاوہ جانداروں، اور جمادات میں یہ وحی، یہ راہ نمائی پیدائشی طور پر ازخود موجود ہوتی ہے۔ مثلاً مرغی کا بچہ پانی کی طرف نہیں جاتا، جبکہ بطخ کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی پانی کی طرف دوڑتا ہے۔ گویا طبیعی اشیاء اور جانداروں میں ودیعت کردہ راہ نمائی کو قرآن نے وحی کہا ہے۔

اس کے برعکس انسان کے اختیار و ارادے کے پیشِ نظر، جو خدا ہی کا عطا کردہ ہے، انسانی زندگی بسر کرنے کے لئے، خدا نے وحی بذریعہ انبیاء کا طریق اپنایا ہے۔ انسانوں کے لئے وحی میں انبیاء کی اپنی فکر و سوچ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ خدا اپنے قانونِ مشیّت کے مطابق، انسانوں میں سے ایک فرد کا انتخاب، وحی دینے کے لئے کرتا تھا۔ ہونے والے نبی کو ایک لمحہ پہلے تک یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ وہ نبی بننے والا ہے۔ قرآن میں اِس کی وضاحت کی گئی ہے کہ:

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (20:12)

یہ تو میں تیرا رب ہوں۔ تُو اب اس مقام تک آ پہنچا ہے، جہاں تیرے لئے عقل کے تجرباتی اور قیاسی طریق کی طول طویل مسافتیں لپیٹ دی گئی ہیں۔ اور اس کی جگہ وحی کا مقدس راستہ کھول دیا گیا ہے، جہاں حقائق ازخود منکشف ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ لہٰذا، اب (عقل کے) لمبے لمبے سفر طے کرنے کی بجائے، تو اپنے جوتے اتار کر اطمینان سے بیٹھ جا۔ تلاشِ حقیقت کا دور، اب ختم ہو گیا ہے (79:16)۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ (20:12) ''اپنے جوتے اتار دے''۔ کیوں اتار دے؟ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (20:12)

لفظ طوٰی کا مادہ وہی ہے جس سے ہمارے ہاں لفظ ''طے'' بولا جاتا ہے۔ ہم ''طے'' کو سفر طے کرنے یا کسی چیز کو طے

کرنے یعنی سمیٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کہا کہ اب تم منزل پر پہنچ گئے ہو۔ منزل پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے انسان جوتیاں ہی اتارا کرتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ سفر طے ہوگیا ہے، یا کم از کم آج کا سفر طے ہوا۔ خدا نے اس انداز میں کہا ہے کہ ''اپنی جوتیاں اتار دو''، اب تم منزل پر پہنچ گئے ہو۔ اب راہ نمائی تمہیں بغیر کسی تگ و تاز کے ملے گی۔ اب تلاش حقیقت میں مزید سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اب تمہیں علم خداوندی براہِ راست ملے گا۔ نبوّت ملنے سے پہلے ایک نبی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ تلاش حقیقت میں سرگرداں رہتا ہے(93:7)۔ وہ اپنے ماحول سے مطمئن نہیں ہوتا، کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے، اسی پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا تو بت پرستی ہے، لیکن حقیقت کیا ہے، اسے اس کا پتہ نہیں ہوتا۔ عربی کا ایک لفظ ہے ''وثن'' جس کے معنی ہیں جمود، اور یہ جمودیّت ہی کی وجہ سے اس کا ترجمہ ''بت'' کرلیا گیا ہے۔ جمود دراصل معبود کا نہیں ہوتا بلکہ یہ جو پوجنے والے پجاری ہوتے ہیں یہ ان کا ذہنی جمود ہوتا ہے۔

اسی کو وائٹ ہیڈ (1861۔1974) نے کہا کہ ''مروجہ نظریات پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا بت پرستی ہے''۔ نبی کو ایک نظام حیات دے کر بھیجا جاتا تھا، جس کی وہ اپنے دلائل و براہین سے لوگوں کے سامنے وضاحت کرتا تھا، انہیں سمجھاتا تھا۔ وحی عطا کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ، اب اے نبی! تجھے عقل کے تجرباتی طریق پر حقائق کی تلاش میں طول طویل مسافتیں طے نہیں کرنا پڑیں گی۔ اب حقائق تجھ پر وحی کے ذریعے خود آشکارہ ہوں گے۔ جوتیاں اتار دینا ایک استعارہ ہے منزل پر پہنچنے کا۔ اگر وحی کے ذریعے راہ نمائی نہ ملتی تو انسان چھوٹی سی عمر میں کیا حقائق تلاش کرلیتا؟ کیا ہر شخص کے لئے ممکن تھا کہ وہ تجرباتی طریق سے ان حقیقتوں کو پاسکے؟ یہ تو خدا کی خاص ربوبیّت اور رحمت ہے۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (20:12) مقدس یا جسے تقدیس کہتے ہیں، اس کے معنی ہوتے ہیں ''دور تک چلے جانا'' یعنی پروگرام کی تکمیل کے لئے جتنی بھی دور جانا پڑے، چلے جانا۔ طُوًی کے معنی ہیں ''طول طویل مسافت کو لپیٹ کر راستے کو بہت مختصر کر دینا''۔ کہا یہ گیا ہے کہ عقل کے تجرباتی اور قیاسی طریق کی جگہ اب وحی کا مسافتوں کو سمیٹنے والا راستہ کھول دیا گیا ہے، جہاں حقائق از خود منکشف ہو کر نبی کے سامنے آجاتے ہیں۔

وحی کی ماہیّت اور کیفیّت کو غیر از نبی جان ہی نہیں سکتا، یعنی وحی کیا ہوتی تھی؟ کیسے ملتی تھی؟ اس کی کیفیّت کیا ہوتی تھی؟ ملنے کا طریقہ کیا ہوتا تھا؟ قرآن ان ساری باتوں کو عالم امر سے متعلق بتاتا ہے۔ عالم امر کے متعلق نہ ہم کچھ جانتے ہیں اور نہ ہی جان سکتے ہیں۔ یہ خالص خدا کے عمل کا میدان ہے، جہاں ساری چیزیں خدا کے پروگرام کے مطابق، اس کی پلاننگ کے مطابق طے پاتی ہیں۔ ''عالم امر سے متعلق علم، وحی کے ذریعے بہت تھوڑا دیا گیا ہے'' (15:85) وحی عالم امر کی شے ہے، اور ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے، لیکن جب عالم امر سے خدا وحی کو عالم خلق میں عطا کر دیتا ہے، اور یہ الفاظ اور حروف کی شکل میں ڈھل جاتی ہے تو یہ عالم خلق کی چیز ہوگئی، اور اب یہ ہماری سمجھ میں آسکتی ہے، یعنی وحی کی تعلیم تو ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔ وحی ہوتی کیا تھی؟ کیسے ملتی تھی؟ یہ نبی کے سوا کسی اور کی سمجھ میں نہیں آسکتی، اور نہ ہی نبی، اس کی کیفیت و ماہیت کو کسی

دوسرے کو سمجھا سکتا تھا۔ وحی وصول کرنا خالصتاً نبی کی انفرادی چیز ہوتی تھی۔

طبیعی کائنات اور انسانوں کی وحی کے علاوہ ایک اور وحی ہوتی تھی، جو وقت کے نبی کے ذریعے انسانوں تک پہنچائی جاتی تھی مثلاً موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی (28:7) اور عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرف وحی 5:111۔ موسیٰ کی ماں کو کسی نبی نے خدا کا پیغام پہنچایا تھا، اور حواریوں کے لئے پیغام کے لئے تو خود عیسیٰؑ ان میں موجود تھے۔ عرب وحی کے لفظ سے ناآشنا نہیں تھے۔ کوئی حکم جو کسی دوسرے کی طرف بھیجا جائے، خواہ اس کا کوئی بھی ذریعہ ہو، وہ اسے وحی کہتے تھے۔ ام موسیٰ کی طرف خدا نے اپنے کسی نبی کے ذریعے ایک پیغام بھیجا۔ عربی قاعدہ کی رو سے اسے ''اوحیٰ'' کہیں گے۔ کسی ایک ہی ذریعے سے کوئی خبر کسی دوسرے تک پہنچنا، اس شرط کے ساتھ کہ اس کو علم ہو جائے کہ یہ پیغام کس کی طرف سے ہے، یہ وحی کہلاتا ہے۔ یہ ہے ام موسیٰؑ کی وحی (28:7)، یہ بھی یاد رہے کہ جب غیر نبی کی طرف (وحی) پیغام ہو تو اس کے ساتھ ''اِلیٰ'' آتا ہے جیسے وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ (16:68) اور وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰی (28:7) اور جب نبی کو وحی دینے کی بات ہو تو لفظ ''اِلیہ'' آتا ہے۔

عقل بغیر وحی کی روشنی کے، اپنے فریضہ بہبودِ خودبیں ہی کے ''تحفظ خویش'' گرد گھومتی رہتی ہے اور اپنے مفاد سے آگے بڑھ کر مفادِ غیر دیکھ ہی نہیں سکتی۔

وحی کے بغیر عقل کا حقیقتِ کاملہ کے فہم کا دائرہ کار:

ہمیں معلوم ہے کہ:

1۔ حقیقتِ کاملہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو ''دیکھا'' جا سکے۔ کیونکہ یہ کوئی ''چیز'' نہیں ہے۔

2۔ حقیقتِ کاملہ کوئی ایسی شئے نہیں کہ جس کو مکمل طور پر ''سمجھا'' جا سکے۔ کیونکہ یہ لامحدود ہے۔

3۔ حقیقتِ کاملہ منزل نہیں ہے اور کوئی ہماری راہنمائی اس تک نہیں کر سکتا کیونکہ حقیقت کوئی ''جگہ'' نہیں ہے کہ جہاں تک کا سفر طے کیا جائے۔

ہم تو بس اس کو اپنی محدودیت کی حد تک سمجھنے کی کوشش ہی کر سکتے ہیں اور جتنی کوشش کریں گے اتنا ہی حقیقت کے نزدیک تر ہوتے جائیں گے۔۔۔ لیکن ہم حقیتِ کاملہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔

حقیقت آشنائی کا طریقہ سائنسی طریقے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ وہ تھیوری پیش کرتے ہیں لیکن اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس کو بھی مسلسل تشکیک و تجربات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ جب وہ تھیوری (اگر) غلط ثابت ہو جاتی ہے تو انہیں اس تھیوری کو رد کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔

لٰہذا الحق کی تلاش میں جو عقیدہ بھی پیش کیا جائے اس کو پرکھیں، اس کا عقلی جائزہ لیں۔ مذہب کیوں شک کی حوصلہ شکنی کرتا ہے؟ کیونکہ مذہب گھڑنے والے جانتے ہیں کہ یہی وہ اوزار ہے جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرتا ہے۔ جب آپ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ایمان شک سے بالاتر ہے تو آپ اس پہ شبہ نہیں کرتے۔ جب آپ شبہ نہیں کرتے تو آپ تلاش، تحقیق، جستجو

نہیں کرتے اور جب آپ کھوج نہیں لگاتے تو آپ بھٹک جاتے ہیں۔ہمیں جان لینا چاہیئے کہ اللہ کی طرف سے انسان کو ودیعت کردہ علم کی صلاحیت لامحدود نہیں بلکہ محدود ہے۔

اور یہ اس لیے کہ انسان، انسان ہے، خدا نہیں۔انسان اپنی صلاحیتوں کے مطابق ہی جان سکتا ہے، اس سے بڑھ کر نہ وہ جان سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔قرآن سے بھی ہمیں اِس کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (2:216)

''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (2:255)

''(خدائی علم میں انسان کو اتنا ہی دیا گیا جتنا مشیت خداوندی کو مقصود تھا) اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔''

وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا (17:85)

انسان کو علم تھوڑا دیا گیا ہے۔

انسانی علم کے بالمقابل اللہ کا علم لامحدود ہے، جسے وحی کی شکل میں الٰہہ کے رسول پیش کرتے رہے ہیں۔حکمائے مغرب کے انسانی عقل کے علاوہ علم کے انکار کے باوجود قرآن سے ہمیں انسانی علم کی کمی کو دور کرنے کے لئے وحی بطور ذریعۂ علم کی سہولت قرآن کی دَفتین میں محفوظ شکل دستیاب کی گئی ہے۔

اب یہاں ہم وحی کے لغوی اور اصلاحی مفہوم سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے اِس کا مُختصر جائزہ بطورِ علم پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وحی لانے والے نبیؑ/رسولؐ کا مقام:

الوحی کے عنوان میں ہم وحی اور وحی کو لانے والے نبی کی ذرا تفصیل سے وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔تمام مذاہب میں ایک متفقہ تصوّر ہے کہ ان کے ہاں جو رسول تھے یا جن کو مذہب کا بانی کہا جاتا ہے، وہ سب فوق البشر ہوتے تھے، اور ان کی شان الوہیّت کی ہوتی ہے۔مذاہب کے برعکس قرآن نے خود رسول اللہ ﷺ سے کہلوایا کہ:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ (18:110)

میں بھی تم جیسا ایک بشر ہی ہوں، میری امتیازی حیثیت یہ ہے کہ ''مجھ پر خدا وحی بھیجتا ہے۔''

اس سے آگے ہے کہ:

وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا (18:110)

''اس کائنات میں صاحب اقتدار صرف خدا کی ایک ذات ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔''

وحی ایسی شی ہے، جس کے متعلق خدا نے محمد ﷺ سے کہلوا دیا کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ (53:3)

''اس میں میری فکر کا، میرے کسب و ہنر کا، کوئی دخل نہیں ہے، نہ ہی وحی میرے خیالات اور خواہشات پر مبنی ہے''۔

یہ وحی کا علم خدا کی طرف سے مجھے ملتا ہے۔ نبوّت سے مراد خدا کی طرف سے وحی کا ملنا ہے، اور رسالت سے مراد وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچانا ہے۔ وحی کے ملنے سے رسول فوق البشر نہیں ہو جاتا تھا۔ وحی وصول کرتے ہوئے بطور نبی وہ دوسرے لوگوں سے ضرور ممتاز ہوتا تھا، اس کے بعد وحی کو لوگوں تک پہنچا دینے کے بعد فریضہ رسالت ختم ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد اگر حالات ساز گار رہیں، تو قوانین خداوندی پر مبنی نظام خداوندی کی تشکیل بھی رسالت کے فریضے میں آتا تھا۔ وحی لوگوں تک پہنچا دینے کے بعد رسول بھی عام لوگوں کی مانند ہو جاتا۔ رسول پر بھی وحی پر ایمان لانا، اسی طرح ضروری ہوتا تھا جیسا کہ عام آدمی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اپنی وحی پر سب سے پہلے ایمان لاتا تھا، اور اس کا اتباع بھی کرتا تھا وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (6:163)۔ قرآن میں جتنے احکام خدا نے مسلمانوں کے اوپر فرض کیے ہیں، وہ سارے کے سارے رسول اللہ ﷺ پر بھی فرض تھے۔ عرب خدا کو مانتے تھے اور اس کا تصور موجود تھا، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی کے نام عبداللہ سے ظاہر ہے۔ فوق البشر عقیدہ کے ردّ کے طور پر ہمارے تو کلمے میں عَبدُہ ورَسُولُہ ''خدا کا بندہ اور رسول'' ہے۔ قرآن نے نبی یا رسول کے لئے کسی قسم کی الوہیّت نہیں بتائی ہے۔ خدا نے رسول، بشر کو بنایا اور اس کے اسوہ کو انسانوں کے لئے نمونہ قرار دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (33:21)

وحی کو قرآن نے الحق بھی کہا ہے۔ جواب مکمل طور پر قرآن کریم کے اندر محفوظ ہونے کے علاوہ الحق ہے جس کی تلاش عِلم کا مقصود ہوتا ہے۔

الوحی کا بطور الحق کا قرآنی تصور:

حق کے لغوی اور اصطلاحی معنی ہیں کہ کسی چیز کا اس طرح موجود ہو جانا، واقع ہو جانا اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے پر اس کے وجود سے انکار نہ کیا جا سکے، اسے حق کہتے ہیں۔ کسی شے کا موجود ہونا اسی وقت ثابت ہوگا، جب شے کا ہمارے حواس احاطہ کر لیں، یعنی شے ٹھوس شکل اختیار کر لے۔ چنانچہ تحقیق کے معنی ہیں کپڑے کو نہایت مضبوطی کے ساتھ تعمیری انداز میں بننا۔ نیز ہر اُس موجود چیز کو حق کہتے ہیں، جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے حق کوئی ذہنی، نظری، تصوراتی یا محض عقیدہ کی چیز نہیں۔ یہ عقائد اور نظریات کے تعمیری نتائج کا نام ہے، جو ٹھوس شکل میں سامنے آ جائیں اور اپنی صداقتوں کے لئے خارجی دلائل کے محتاج نہ ہوں۔ اِس دنیا سے متعلق کوئی عقیدہ حق ثابت نہیں کہلا سکتا، جب تک اِس کے تعمیری نتائج ایک ٹھوس حقیقت بن کر سامنے نہ آ جائیں۔ اِس کے بالمقابل

باطل کے بنیادی معنی کسی چیز کا جاتے رہنا ہوتے ہیں۔ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے، اور وہ اُس پر پوری نہ اُترے تو اُسے باطل کہتے ہیں۔ قرآن میں قرآن ہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (17:81)

''حق آ گیا ہے اور باطل تباہ ہو گیا۔ باطل ہوتا ہی تباہ ہونے والا ہے۔''

باطل کہتے ہی اُسے ہیں، جو باقی رہنے والا نہ ہو۔ وہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے، جب تک میدان میں حق نہیں آتا۔

قرآن کریم میں، حق کا لفظ ظن کے مقابل آیا ہے کہ:

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ (10:36)

''ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتا۔''

اس لئے اتباع، حق کی کرنی چاہیے ظن کی نہیں۔ دین یکسر حق ہے اس میں ظن کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ دوسرے مقام پہ ہے کہ: اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (10:30) ''اللہ خود اپنے قوانین کے ذریعے حق ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا کہ: اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ (3:86) ''اس کا رسول حق ہے۔'' دیگر جگہ پہ ہے کہ: اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ (34:6) ''اس کی طرف سے بھیجا ہوا قرآن حق ہے۔'' سورہ یونس میں ہے کہ: اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (10:55) ''اللہ کے وعدے (قوانین) حق ہیں۔'' دین اسلام کے بارے میں کہا کہ: دِيْنِ الْحَقِّ (9:33) ''اس کا دین حق ہے۔'' کائنات کے بارے میں کہا کہ: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (39:5) ''یہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے''۔ چونکہ حق، ظن وشکوک سے بلند ہوتا ہے اور وہ ایک ٹھوس تعمیری واقعہ کی شکل میں سامنے موجود ہوتا ہے، اس لئے ظہور نتائج کو بھی اَلْحَآقَّةُ (69:1) کہا گیا ہے۔ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ (34:6) ''جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ (قرآن) الحق ہے۔'' اس لئے حق کے بالمقابل ظن وقیاس کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ قرآن سے بھی یہی وضاحت ملتی ہے کہ: اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ (10:36) ''یقیناً ظن وقیاس، حق ویقین کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔''

ہم نے دیکھا کہ انسان کو ودیعت کردہ عقلی علم مکمل حق یعنی الحق پر مبنی مستقل اقدار کی حقیقت کے عِلم کے فہم کی مکمل آگاہی حاصل نہیں کرسکتا، جب کہ وہ اللہ کے کلام پر مبنی قرآن کی کِتاب سے روشنی حاصل کرتا نہ رہے۔ قرآن کے مطالعے کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اگر جذبات اور عقل کو وحی خداوندی (جواب مکمل شکل میں قران میں آخری پیغام کے طور پر محفوظ ہے) کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو انسان ذات کی نشوونما کی فہمِ الحق تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ لہٰذا علمُ الوحی میں قرآن کا عنوان باندھ کر اِس کی تفصیلی وضاحت ہم ایک الگ اگلے باب میں بیان کر رہے ہیں۔

The Human Self and Allah

Episode No. 10

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Ejaz Rasool)

3.9.4 Acceptance of Reality by Christians

This acceptance by the followers of these religions is in itself proof of the truth of the Quran. Some time ago the Lord Bishop of Canterbury had constituted a commission to investigate to what extent the existing Gospelsare trustworthy and to what extent their teaching can be called Divine. In the report of this commission, inter alia, this is also written, that whatever is found in the Gospels regarding Christ being the son of Godhas no more reality than the status of fiction and that it is an intolerable slander on the Divine Self.

3.9.5 Consorts of Gods

Regardingthe belief in Hinduism of a wife of god,this has already been mentioned. In the religion of ancient Babylon,the goddess of agriculture *Ashter's* marriage with the spirit of the date *Tummuz*used to be professed. In the Egyptian religion the marriage of the goddess of the oasis (*Isis*) with the god of the Nile,*Osiris*, used to be avowed.The concept of a consort of god is present in the mythologies of Greece and the religious tales of Rome. *Ops* is the wife of the Greek god *Chronos*, and *Hera*the wife of *Zeus*, *Rhea*is the wife of the Roman god *Saturn*, and *Juno* the wife of *Jupiter*. One of the reasons for the belief in the progeny of god and relatives was probably this, that in the mutual fights of tribal life, the members of one family wouldbe supporters of one another (this is why in this regard there is mention of mutual fights in the tales of Hinduism and the Greek gods). Therefore, they may have thought that these gods should also have near and dear ones who can be helpers, but the true Allah is not in need of help from anyone:

> Say: 'Praise be to Allah, Who begets no son, and has no partner in (His) dominion: nor needs He any to protect Him from humiliation: Yes, magnify Him for His greatness and glory!' (17:111)

The reality of belief in the progeny of God is this much, that the mind of earlier man shaped god in his own form, and this belief subsequently continued in generation after generation due to the blind following in the footsteps of the forefathers. No-one evaluated itcritically using knowledge and intellect:

:Further, that He may warn those (also) who say, 'Allah has begotten a son': No knowledge have they of such a thing, nor had their fathers. It is a grievous thing that issues from their mouths as a saying. What they say is nothing but falsehood! (18:4-5)

After the arrival of knowledge, claimants of these beliefs are themselves embarrassed from these and attempt to hide these under the guise of metaphors and similes.

3.9.6 Belief of Daughters of God

Not only sons but daughters also were attributed to god. And this belief existed among those people who, if a daughter was born into their own house, would be sunk in mourning. In the social structure of Hinduism the extent to which a girl is a recipient of 'respect and value' is well known! But withBrahmaa daughter is accepted. This belief was also prevalent among Arabs that angels are the daughters of god, and their own state was such that they used to bury their daughters alive. The Quran states:

And they assign daughters for Allah! – Glory be to Him! – And for themselves (sons – the issue) they desire! When news is brought to one of them, of (the birth of) a female (child), his face darkens, and he is filled with inward grief! (16:57-58)

A similar belief to the one among Hindus of gods and goddesses existed among Arabs about angels i.e. that they have been put in charge of the duties of death and fate and are masters of various departments of the system of the universe. In this regard, relations used to beassumed between them and God:they were made goddesses and declared as being the daughters of God. The Quran states:

Yet they attribute to some of His servants a share with Him! Truly is man a blasphemous ingrate avowed! What! Has He taken daughters out of what He Himself creates, and granted to you sons for choice? When news is brought to one of them of (the birth of) what he sets up as a likeness to Allah Most Gracious, his face darkens, and he is filled with inward grief! (43:15-17)See also (21:26-27, 16:57, 43:19)

3.9.7 Erroneous Belief of the Relationship of Jinns with God

During the era of man's ignorance, belief in Jinn was commonplace i.e. non-perceptible (invisible) forces which were believed to interfere in human matters and influence them. Like other nations, this belief was commonplace among Arabs as well.In any case, the belief among Arabs was that Jinns also maintained relationships with God:

And they have invented a relationship between Him and the Jinns (the universal invisible forces): but the Jinns know that they (have indeed) to appear before His Judgement Seat!

:(37:158)

3.10 Last Verse of Surah *Ikhlas*

The last verse states:

And there is none like unto Him. (112:4)

The word *Kufu-wun* used in this verse has also only appeared in one place in the Quran. Its meanings include similar, equal, equivalent and incomparable. Its meaning is clear i.e. that unparalleled and incomparable BeingWho has no-one sharing in His Self and attributes. No-one is equal to Him, is similar to Him,or is comparable to Him:

…there is nothing whatever like unto Him…(42:11)

Therefore, there remains not the slightestpossibility even for a belief such asavatar or *Ilaah* (god).

This is that concept of *Tauheed*which the Quran presents about Allah,andregarding that God who is 'incomprehensible', itexpounds those things from which the correct *Eimaan*about this Absolute Self can beengraved on the human heart. Be aware that the word Allah has been mentioned in the Quran about seven hundred times and quoting all of these verses is problematic, therefore it has been notedbriefly under this topic. Detailed explanation about the Divine attributes will be found under other topics.

3.11 Clarification of One Important Point

Before moving forward, it appears essential to clarify one point. Since the Quran is the revelation of Allah, therefore the attributes of Allah which have been explained in it are based on truth, they are not the guesswork ofhuman intellect. In other words, these attributes do not mean that man, for the satisfaction of his yearning to worship, establishedthe concept of some deity in the workshop of his mind, and then attributed various traits and allocated different names to this conjectured godaccording to the world of his own concepts. In the same way that (without using a metaphor) accepting this reality that the sun is a mighty stellar body which having risen in the morning provides light and heat is not merely a 'conjectured' belief, but is the acknowledgement of a provenfact, similarly *Eimaan*in the Divine Self and *Eimaan* in His attributes according to the Quran is not a conjectural belief but is acknowledgement of a fact. But the question is this, by acknowledging this fact, what is the benefit to man? Why is acceptance of this essential? The first thing is actually this, that acceptance of realityis in itself proof of human eminence. You can say that the sun does not provide light and

heat but provides darkness and coldness instead. Your intellect and reasoning will be ridiculed, andsuspicion will arise about your sanity. But *Eimaan* in the attributes of Allah is not only essential on the basis of acknowledging fact butis also the holder of very high and important objectives. We have already discussed these aims in Chapter 1 but because this point is very important, and together with the fact that it is off the beaten track of the worlds of intellect and beliefs, therefore we think that to bring it to our attention repeatedly is not without advantage. We realise that repetition is a flawin a book but if in order to elaborate and explain some very important reality some particular point is presented more than once, then this cannot be considered to be a meaningless repetition. In this book repetition at some places has been allowed because of this need. (Even the Quran itself presents different aspects repeatedly in order to expound the truth).

The essential aim of *Eimaan* in Allah which has been mentioned above is that the aim of the life of man according to the Quran is to establish the kingdom of Allah on this earth. Man has beencreated superior to all creation and for all the forces of nature together to serve him. His responsibility in life is to bring everything in the universe under his controlwhile remaining himself under the obedience of the laws of Allah,and by producing strength in his self in this way, to implement the laws of Allah in the whole world. That*Jamaat* which accomplishes this responsibility towards humanityis called a *JamaateMomineen* i.e. that *Jamaat* which has*Eimaan*in the Divine Self and Divine attributes according to Quranic teaching. Because this is a supreme responsibility which this *Jamaat*carries out, it is essential that,within the confines of human limitation, the reflection of the Divine attributesradiatesin the members of this *Jamaat* with the immensity of their fullest possible potentials.The image of His light should reflect in the mirror of his heart; this unparalleled and incomparable, this 'beyond the limits of imagination, idea, thought, guess, presumption'outline of these shining attributes of Allah the Supremeshould be seenimprinted on the face of the earth in thevisible personas of thesehighly realised selfs of this *Jamaat*. The apparel of the hearts and minds of the selfs of this *Jamaat* should be 'coloured' in the beautiful and brilliantcolours of the Innovator of ever new and unique creations:

The Colour of Allah: and who can colour better than Allah? And it is He Whom we follow. (2:138)

Hence, having *Eimaan* in the Divine attributes meansthat a *Momin*should, according to the expanse of human constraints, by obedience of the Quran, try to create these attributes within himself and in thisway,by achieving 'Divine closeness', keep progressing forward by treadingthrough the stages of the process of evolution of humanity. A *Jamaat*of these kinds of *Momineen* is responsible for establishing and sustaining the kingdom of Allah in this world and their Allah is *Rabb-il-Alameen*. By

giving birth to thebrilliance of *Rabubiyat* within their own selfs,they also administer sustenance and nourishment of others. Allah is *Razzaq*(Sustainer) – in them, too,there should be the brilliance of *Razzaqiyat*. He is *Raheem* and *Kareem* -the pearls of their rain bearing cloud of generosity and blessings shouldalso be distributed for all. He is *Jabbar* and *Qahhar*– they,too,should possess this much power throughwhich,bycuringevery rebellious and tyrannical Pharaoh-like human being,they can reform the whole world, and so forth. This is the true purpose of *Eimaan* and conviction in the Divine attributes, otherwise Allah is Allah, whether someone accepts Him or does not. If the whole world closes its eyes, even then the sun will continue to be the source of light and heat,as it is today. Even when nothing was there, Allah was Allah, and at the time when nothing else is left, even then Allah will remain.

3.12 Outcome of Conviction in *Tauheed*

Now let us look at the short verses of Surah *Ikhlas*in which four Divine attributes are noted, whattheir practical effect on human life is. What is the practical outcome of having *Eimaan*in these attributes?

By having *Eimaan* in one Allah, man becomes free from the slavery of all the false 'gods' of the world. By becoming the follower of One only, he becomes the ruler of the whole universe. He bows at His door,andthe world bows in front of him. He becomes His, andthe whole universe becomes his.

And when this *Jamaat* has *Eimaan* in this reality that their Allah is One, then its essential consequence is that this *Jamaat* will be as one as well. A *Jamaat* accepting the Oneness of Allah should be one nation; if believing in two gods is *Shirk*, then the division of this *Jamaat* into two factions is also *Shirk* (never mind dividing into hundreds of sects). This is why the Quran states:

> …and be not you among those who join gods (Shirk) with Allah – those who split up their Deen and become (mere) sects – each party rejoicing in that which is with itself! (30:31-32)

It is a practical *Shirk* for the Muslim Ummah to be divided into sects and parties: this is becausethe practical proof of the belief of *Tauheed* of a nation which has*Eimaan* in One Allah is to become and remain as one nation.The foundation of the oneness of a nation is based on this great truth that all the individuals of this nation should follow only one law; the aim of their life should be one. The practical manifestation of having *Eimaan* in One Allah isobedience of His law. Therefore, *Tauheed* of Allah means the oneness of His Law and the practical consequence of oneness of the law means oneness of the nation. Thescope of this oneness will keep expanding andthe oneness of mankind will

manifest. Hence,the final outcome of *Tauheed-e-Allah* is the oneness of humanity,and the practical meansof attaining this is the establishment of this system in which the Divine law is followed. There should be no obedience of the commands and laws of any otherthan this; this system is calledan Islamic Government.

3.13 Effect of the Attribute of *Samad*

Hence, when a *Momin*makes this proclamation that His Allah is *Samad*, along with thishe also makes an effort to create the attribute of *Samdea*t within his own self. *Samdeat* means that Allah, the One and only,does not require the help of anyone elsefor the accomplishments of His intentions, rather the whole of the universe requires His help in its difficulties and challenges. The condition of the nation which has *Eimaan* in Allah-*Samad* should also be the same, that it should not be dependent on others for the fulfilment of its plans, rather it should be the possessor of such vast powers that the whole world should turn towards it in their troubles. The utterance of Allah-*As-Samad* repeatedly on the tongue, while the practical state is that of being dependent on others for every need,cannot be the way of the Muslim Ummah. And today the state of our dependency has become suchthat not only are we dependenton others for meeting our material needs but have also borrowed the ideas and concepts ofothers. Neither is any ideology ourown, nor any principle, neither is our heart our own, nor our mind. The curse of this apish mentality has overwhelmed us to such an extent that we consider imitation of the way of life of others to be a matter of immense pride. The Quran states:

When in their insolence they transgressed (all) prohibitions, We said to them: 'Be you apes, despised and rejected'. (7:166)

That nation which was given the reins of duty to lead the world is today lagging behind the whole world. What, is this the conduct of life thata nation which has *Eimaan* in Allah-*As-Samad* should have had?

Then the nation which possesses this *Eimaan* that its Allah bears no relation of blood and race to anyone, that He is *Rabb-il-Alameen*and the only way any relation with Him can be established is on the basis of obedience and *Taqwa*, is itpossible that that nation will declare the criteria for the division of humanity to be based on colour and blood, race and tribe?Being separated into nations and castes on the basis of race and colour andbeing divided into tribes and parties are the infantile concepts of the era of ignorance for the eradication of which Islam arrived. Islam came to create such a paradise that the moment an individual proclaims*La-Ilaha-i-Lallah* he enters this paradise like a drop merges with the ocean, such that even if all the forces of the world came together and tried,they would not be able to differentiatethis drop from the ocean.

To Be Continued

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآن کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

8- بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امورِ دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن بعد میں مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہو گئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

9- ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام وقوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہو گی۔

10- چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا' اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہدگر مدغم ہو جائیں گے۔

11- جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہو جاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی ردوبدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے ''خدا اور رسول ﷺ'' کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

12- قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی' روٹی' کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

13- قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہو سکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کر سکتا ہے۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو' یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

14- جہاں تک احادیث کا تعلق ہے' ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

15- ہم' رسول اللہ ﷺ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

16- طلوعِ اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)' نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز' روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آ سکے۔ یہ ہے ہمارا مقصد' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آ رہے ہیں۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.75
ISSUE
09

Monthly **TOLU-E-ISLAM**

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/talueislam/ www.youtube.com/idaratolueislam

مادرِوطن
کے
جاں نثاروں
کو سلام